REGD. L NO 7681

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

فہرست مضامین

شذرات	ادارہ	۲
موت العالم موت العالم	؍؍	۵
اسلام کی عالمگیری اور جامعیت	حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ	۶
جزاء وسزا اور محاسبۂ اعمال کا دن	حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ	۱۳
خاندانی منصوبہ بندی اور افکار شاہ ولی اللہؒ	حضرت مولانا عبدالحمید صاحب گوجرانوالہ	۲۰
تبرکات ونوادر	حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ	۲۹
درس قرآن مجید	حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ	۳۰
تصرفات روحانیہ	حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب. کلاچی	۳۴
خراج تحسین	حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی	۴۱
علم وفضل کی دنیا	مولانا سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ	۴۴
نحوست ایام	حضرت مولانا سید تقویم الحق صاحب ایم اے کاکاخیل	
احوال وکوائف	ادارہ	۵۳
قانون مکافات عمل	مولانا قاری سعید الرحمان صاحب راولپنڈی	۵۴
فتنۂ انکار سنّت	جناب ابو نصر طاہر سلیم	۵۷
دوارکا کی تباہی	ایک فوجی مجاہد کے مشاہدات	۶۱
پیغامات ودعوات	احباب واکابر	۶۴

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

کتابت: اظہر حسین

جلد نمبر ۱	شعبان المکرم ۱۳۸۵ھ	دسمبر ۱۹۶۵ء	شمارہ نمبر ۳

سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے منظور عام [illegible]

شذرات

مذہب انسان کی زندگی میں کس قدر دخل انداز ہوتا ہے یہ کسی مغرب زدہ فلسفی یا پروردۂ الحاد انسان سے نہ پوچھئے۔ اس لئے کہ اس کی پرواز کو مادّی اسباب و وسائل سے بالا نہیں ہے۔ اس کے یہاں زندگی کا حاصل جسم کی آرائش و زیبائش اور دنیا کے رنگ و بو سے لطف اندوزی ہے۔ مغرب کی ساری زندگی اور زندگی کے سارے کاروبار کا محور صرف اور صرف یہی مادّی تعیش اور دنیا کی ہوس ہے۔ اس کے سارے کل پرزے اسی مقصد کیلئے ڈھلتے اور جڑتے ہیں ——— دنیا کے بیشتر حصّے نے مغرب کے اس تخیّل و تصور کو اعتقاداً نہ سہی عمل اور کردار سے قبول کرلیا ہے۔ دنیا کے بیشتر مذاہب اس مغربی آئیڈیالوجی سے مرعوب ہوکر اس کوشش میں ہیں کہ اس تصور کو قبول کرنے کے ساتھ اسکو مذہبی رنگ دیدیا جائے۔ اور یہ سعی کی جارہی ہے کہ ہر مذہب کی طرف سے یہ اجازت نامہ حاصل ہوجائے۔ کہ یورپ کا مادّی نظام، خدا فراموشی اور معدہ پرستی اور دنیوی آسائشوں کیلئے شبانہ روز دوڑ دھوپ نہ صرف یہ کہ یہ مذاہب اسکے مخالف نہیں۔ بلکہ ان کی تعلیمات میں اس تہذیب و نظام کی گنجائش ہے ———

عیسائیت۔ یہودیت۔ بدھ ازم۔ ہندوازم اور اس کے علاوہ وہ نظریات جو اپنے آپ کو مذہب کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں۔ ان سب کا حشر گذشتہ چند سال بلکہ چند صدیوں سے یہی ہورہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ اب تقریباً سب مذاہب یورپ کے مادّی نظام کے سامنے گھٹنے ٹیک سکے ہیں۔ اور اپنی بچی کچی روحانیت کو خاک میں ملیا میٹ کرتے ہوئے اپنے روحانی نظام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور جہاں تک غور کیا جائے اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔ کہ ان مذاہب میں زندگی کے سب مراحل کے لئے کوئی ایسا جامع نظام نہیں۔ جو ایک طرف فرد کے حیات کی نگہبانی کرے۔ اور دوسری طرف صحیح اجتماعی نظام کے پھیلنے اور پھولنے کے مواقع بہم پہنچائے۔

اسی حقیقت کے پیش نظر مغرب سے متاثر لوگوں میں یہ نعرہ سنا جاتا ہے۔ کہ مذہب فرد کا نجی فعل ہے۔ قوم و ملت کی اجتماعی حیات میں اس کا کچھ دخل نہیں۔ ان کا یہ نعرہ اس حیثیت سے صحیح ہے۔ کہ جن مذاہب سے ان کو واسطہ پڑا ہے یا جن کی ریسرچ و تحقیق میں یہ اپنی زندگیاں صرف کرتے ہیں۔ ان کی گرفت فرد سے آگے بڑھ کر کسی اجتماعی نظام پر نہیں پڑتی۔ اس لئے ان کے یہاں

مذہب کا اجتماعی زندگی میں موثر کردار ادا کرنا اس جدید تہذیب و تمدن کے دور میں مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ــــــــ

اسلام چونکہ ایک عالمگیر اور مکمل مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات کا دائرہ صرف چند رسومات تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ فرد اور قوم دونوں کی زندگیوں پر کنٹرول رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ جہاں فرد کی زندگی کیلئے لائحہ حیات تجویز کرتا ہے۔ وہاں سوسائٹی اور اجتماعی زندگی کے نظام کو بھی ایک صحیح رُخ پر ڈالتا ہے۔ اور یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ بلکہ اسلام نے یہ سب کچھ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں کر کے دکھایا ہے۔ اگر ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر گہری نظر رکھتا ہو تو کوئی دوسرا نظریہ اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ خلاف اسلام کسی تصوّرِ حیات سے وہ مصالحت کر سکتا ہے۔ اسی ذہنی کشمکش کے دور میں اسلام کے نام لیواؤں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ یورپ کے مادّی نظام اور دوسرے نظریات کی ٹکر براہ راست اب اسلام سے ہے۔ اسلام ہی ان کا حریف ہے۔ اور اب ان کا سارا زور اور سب صلاحیتیں اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی اور انسانیت کو اسلام سے متنفّر کرنے کے لیئے وقف ہیں۔ بدقسمتی سے آج کا مسلمان "قرونِ خیر" سے دور ہوتے ہوئے اسلام کو خیر باد کہہ رہا ہے۔ اور اسکی زندگی آہستہ آہستہ اسلام کی گرفت سے آزاد ہوتی جا رہی ہے۔ دینی حسّ کمزور ہونے کی وجہ سے عملی اعتبار سے مسلمان وہ نہیں رہا جو قرونِ اولیٰ کا باعمل اور مذہبی مسلمان تھا ــــــــ

یورپ مسلمان کے کردار کو کھوکھلا کرنے کے لئے اس سے بہتر چال اور کیا چل سکتا تھا۔ کہ اس کو زندگی کے ایسے پُرکشش خطوط سے روشناس کر دیا، اور ایسا دامِ ہمرنگ زمین اسکے لئے بچھایا کہ مسلمان کا کردار تو ایک طرف اس کا ایمان ڈگمگا رہا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایمان کی دولت اور اس کی حلاوت سے محروم ہوتا جا رہا ہے ــــــــ

مسلمان کے مذہبی شعور اور اس کے دینی استقلال سے یہ توقع ہونی چاہیئے تھی کہ کفر و الحاد، ایمان کو متزلزل کرنیوالے نظریات، اخلاقی بے راہروی، جنسی آوارگی، اور اس کے علاوہ وہ جن جن راستوں سے مسلمان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی، مسلمان ان تحریکوں کے پھلنے پھولنے سے پہلے ہی ان کا سر کچل دیتے ــــــــ

مگر مذہبی اقدار سے گریز نے آج مسلمان کو ایک ایسے چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں وہ

حیران و ششدر اپنی کھوئی ہوئی منزل کی راہ کو تلاش کرنے میں متفکر ہے۔

آج مسلمان کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ جو راستہ اسلام نے اس کے لئے تجویز کیا تھا۔ اس سے بہتر اور سیدھا راستہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث پر غور فرمائیے:

عن ابن مسعودؓ قال خط رسول	ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطاً ثم	علیہ وسلم نے ایک سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ
قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً	اللہ کا راستہ ہے پھر اس کے ارد گرد دائیں بائیں
عن یمینہ وشمالہ وقال ھذہٖ سُبُلٌ	اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں
علی کل منہا شیطان یدعوا الیہ	اور ان میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہو کر لوگوں
وقرأ ان ھذا صراطی مستقیماً فاتبعوہ	کو دعوت دے رہا ہے۔ اور آپ نے یہ آیت
(مسند احمد ونسائی)	پڑھی کہ بیشک یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس پر چلو۔

جسطرح ایک راہرو اپنی منزل کیطرف رواں دواں ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کیطرف جانیوالے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کیطرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ مسلمان کو بھی ایسا ہی سوچ لینا چاہیئے کہ جب اسکی منزل اسلام نے متعین کر دی ہے۔ تو اب اسکو دوسروں کیطرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے اصولوں کو قربان کرتے ہوئے کسی اور نظریہ سے مصالحت نہیں کر سکتا۔ وہ اپنا ایک راستہ خطِ مستقیم کیطرح متعین کر چکا ہے۔ اس خط کے ارد گرد جتنے بھی ٹیڑھے خطوط اور لائنیں ہوں گی۔ اسلام ان کو "شیطانی راستے" تصور کرے گا۔

اس سترہ روزہ جنگ میں پوری قوم پر یہ حقیقت واشگاف ہو گئی ہے۔ کہ ان کی جائے پناہ صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی وہ عظیم طاقت ہے۔ جو اپنے نام لیواؤں کے دلوں میں اپنے سے چھ گنا زائد فوجی طاقت والے ملک کے مقابلہ میں روح جہاد پھونکتے ہوئے فتح و کامرانی کے راستے ہموار کرتا ہے ——— پہلے جو لوگ مذہب سے تمسخر کیا کرتے تھے۔ اب مجبوراً دبی زبان سے مذہب کی اہمیت اور ضرورت کا اقرار کرنے لگے ——— اس جنگ کی وجہ سے اٹھارہ سال بعد ہمارے اذہان سے غفلت کے پردے سرکنے لگے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صرف ہنگامی کیفیت ہی نہ ہو۔ بلکہ ایک دائمی عمل ہو۔ اور مسلمان اپنے بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کرلے۔ اور خدا کے خلاف بغاوت، یورپ کی تقلید، مذہب سے تمسخر و استہزاء، اور خلاف شریعت عادات و اطوار سے مکمل پرہیز کرے۔ اگر ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا تو بعید نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پایاں رحمتیں ہم کو اپنی پناہ میں لے لیں ———

سمیع

یادِ رفتگاں

اذکروا موتاکم بالخیر

موتُ العالِم موتُ العالَم

مدینہ طیبہ کے ایک مکتوب سے معلوم ہوا کہ حضرت العلامہ المحدث الشیخ محمد بدرعالم میرٹھی مہاجر مدنی کا طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۸ اکتوبر ۶۵ء بمطابق ۲ رجب بروز جمعرات انتقال ہوا۔ دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد مسجد نبویؐ میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں بالکل اہل بیت کی قبورؓ کے قریب ان کو دفنا دیا گیا۔

مولانا مرحوم نے اپنی زندگی علوم نبویہؐ بالخصوص علم حدیث کی خدمت و اشاعت میں صرف کی وہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔ فیض الباری شرح بخاری (چار جلدوں میں) کے ذریعہ انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے امالیٔ درس کو مرتب و محفوظ کر کے علمی دنیا پر عظیم احسان کیا۔ ان کا دوسرا عظیم کارنامہ ترجمان السنۃ کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے نئے تقاضوں کی روشنی میں احادیث کے تراجم کی ازسرِ نو ترتیب و تبویب اور اردو زبان میں نہایت محققانہ تشریح کا التزام فرمایا۔ جسکی کئی جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ مگر افسوس کہ علالت کی وجہ سے اس کتاب کی تکمیل نہ ہو سکی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور بالآخر سنت کے اس ترجمان کو صاحب سنت علیہ السلام کے قدموں میں جگہ ملی۔ زندگی کے آخری کئی سال بسترِ علالت پر گذارے۔ فالج اور ضعف کی وجہ سے خود کروٹ بھی نہ بدل سکتے۔ مگر پھر بھی آخر دم تک ارشاد و اصلاح وعظ و تبلیغ بلکہ درسِ قرآن و حدیث تک کا سلسلہ جاری رہا۔ بہت بڑے عالم فاضل مناظر محدث اور مصنف ہونے کے علاوہ آپ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ بھی تھے۔ اور زندگی کے آخری دور میں پاک و ہند اور عرب ممالک کے علاوہ افریقی ممالک کے حجاج و زائرین نے خاص طور پر آپ سے روحانی فیض پایا۔ حضرت کے وصال کے بعد مدینہ طیبہؐ میں اب صرف جامع شریعت و طریقت مولانا عبد الغفور عباسی مہاجر مدنی کی مجلس علم و عرفان ہی رہ گئی ہے۔ حضرت مولانا بدرعالم میرٹھی کے وصال سے علم و معرفت کی دنیا میں بہت بڑی خلا محسوس کی جائے گی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ وبرّد اللہ مضجعہٗ ونوّر اللہ برھانہٗ۔ آمین

سمیع

اسلام کی عالمگیری اور جامعیت

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور

ہم حضرت علامہ افغانی مدظلہٗ کے بے حد ممنون ہیں جنہوں نے اسلام کی ہمہ گیری اور جامعیت پر یہ اہم مقالہ ارسال فرمایا۔ اس کے بعد انشاء اللہ "ضرورتِ دین" کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے گا۔ یہ مقالہ باڑہ گلی کے سیمینار میں پڑھا گیا ـــــ (ادارہ)

انسانی فطرت تمام اقوام میں بلاتخصیص نسل و وطن عالمگیر ہے۔ کوئی قوم اور کسی ملک کا انسان خواہ یورپ کا ہو یا ایشیا کا، افریقہ کا ہو یا امریکہ کا ایسا نہیں جس میں انسانی فطرت اور اس کے لوازمات موجود نہ ہوں۔ مذہب چونکہ فطرتِ انسانی کی تکمیل اور سعادت کے لئے آیا ہے۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ انسانی دین بھی انسانی فطرت کی طرح عالمگیر ہو۔ اور یہی دین کے عالمگیر ہونے کا مطلب ہے۔

دینی عالمگیری کی دو قسمیں ہیں

عالمگیر دین کی دو قسمیں ہیں۔ حقیقی اور مصنوعی۔ حقیقی عالمگیری اس کا نام ہے کہ دینِ عالمگیر خود مدعی عالمگیری کا ہو اور اس دین کے اصول بھی عالمگیر ہوں۔ یعنی خود دین میں بھی یہ دعویٰ اور اعلان موجود ہو کہ وہ عالمگیر ہے۔ اور کسی قوم سے مختص نہیں۔ اور اس دین کے اصول بھی ایسے ہوں کہ فطرتِ انسانی بلاتخصیص وطن و قوم اس کو قبول کرتی ہو اور انسانی عقل میں اس کی طرف انجذاب اور کشش موجود ہو۔ بشرطیکہ عقل و فطرتِ انسانی کسی بیرونی ناپاکی سے آلودہ نہ ہو۔ اس معنی میں حقیقی عالمگیری ادیانِ عالم میں صرف اسلام کو حاصل ہے۔ باقی مذاہب بدھ مت، کنفیوشس، تاؤمت، شنتو مت، ہندو مت کسی معنی میں بھی عالمگیر نہیں۔ کنفیوشس مت چین کی اکثریت کا مذہب ہے۔ اور شنتو مت جاپان کی اکثریت کا۔ اور ہندو مت بھارت کی اکثریت کا، اور بدھ مت اور تاؤمت چین و جاپان کی اقلیت کے مذاہب ہیں۔ اس میدان میں اگر اسلام کا کوئی مدمقابل مذہب ہے تو وہ صرف مسیحیت ہے۔

یہودیت بھی صرف خاندان اسرائیل کا مخصوص مذہب ہے لیکن اسلام اور مسیحیت میں آگے چل کر یہ فرق واضح ہوجائے گا۔ کہ اسلام حقیقی عالمگیر مذہب ہے۔ اور مسیحیت کی عالمگیری مصنوعی ہے۔ اور جو فرق اصل ونقل میں ہوتا ہے۔ وہی فرق اسلام اور مسیحیت میں ہے۔ اصلی گھوڑا اور مصنوعی گھوڑا دونوں برابر نہیں۔ اور نہ مصنوعی گھوڑے پر وہ آثار ونتائج مرتب ہوسکتے ہیں جو اصلی گھوڑے پر مرتب ہوتے ہیں۔ لہٰذا تکمیل انسانی اور سعادت وفلاح بشریت کے بہترین نتائج سے مسیحیت محروم ہے۔ اس کے برخلاف تاریخ کے ہر دور میں اسلام ان عمدہ اور بہترین نتائج کا حامل رہا ہے۔ جن کا خود غیر مسلم مؤرخین نے بھی بادل ناخواستہ اعتراف کیا ہے۔ ہم صرف چند حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں:

انگلستان کا مشہور مورخ گبن تاریخ سلطنت روما کی پانچویں جلد کے پچاسویں باب میں لکھتا ہے۔ کہ "شریعت اسلام ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی" ——— مسٹر کارلائل لکھتے ہیں "شریعت اسلام کے قوانین وضوابط کا لوہا آج بھی باایں ہمہ ترقی وحکمت، دنیا ماننے پر مجبور ہے۔" ——— مسٹر ڈی رائٹ مشہور نامہ نگار انگلستان لکھتے ہیں: "تاریخ انسانی میں کسی ایسے شخص کی مثال موجود نہیں کہ جس نے احکام خداوندی کو اس مستحسن طریقہ سے انجام دیا ہو جس طرح پیغمبر اسلام نے دیا ہے۔"

حقیقی عالمگیری دین کی شناخت کا صحیح معیار

دین عالمگیری کی معرفت کے لئے عقلاً حسب ذیل معیار ہوسکتے ہیں:

۱ ——— پہلا معیار یہ ہے کہ خود اس دین میں عالمگیر ہونے کا دعویٰ موجود ہو۔ یعنی خود دین یہ اعلان کرے کہ وہ عالمگیر ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دین خود کسی خاص قوم کے لئے مختص ہونے کا اقرار کرے۔ یا کم از کم بین الاقوامی اور عالمگیر ہونے سے خاموش ہو اور اس دین کے ماننے والے کسی مصلحت کے تحت اس کے عالمگیر ہونے کا دعویٰ کردیں۔ اس صورت میں مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہوجائے گا جو کسی عدالت میں قابل پذیرائی نہیں۔

۲ ——— دوسرا معیار یہ ہے کہ اس میں خالق کائنات کا خالص توحیدی تصور موجود ہو جو فطرت کائنات کے مطابق ہے۔ کیونکہ نظم کائنات اور قوانین فطرت میں یکسانیت وحدت موجود ہے جو سائنس کے قوانین کی بنیاد ہے۔ اگر اشیاء کے خواص میں یگانگت نہ ہوتی۔ اور وہ روز بدلتے

یا کسی وقت میں کچھ اور دوسرے وقت میں کچھ اور ہوتے تو سائنس کی ترقی ختم ہو جاتی اور قوانینِ قدرت میں سے کسی قانون پر اعتماد باقی رہتا۔ اور نہ اس سے استفادہ ممکن ہوتا۔ نظم کائنات کی یہ وحدت ناظم کائنات کی وحدت کی دلیل ہے۔ اسی بنا پر کوئی ایسا دین عالمگیر کہلانے کا مستحق نہیں جس میں خالق کائنات کا خالص توحیدی تصور موجود نہ ہو بلکہ اس میں شرک کی آمیزش ہو۔ جیسے مسیحی دین میں ہے۔

۳۔۔۔ انسان فطرتاً دین و دنیا روح و جسم دونوں کے ساز و سامان کا محتاج ہے۔ اس لئے وہ دین عالمگیر ہوگا جس نے دین و دنیا، روح و مادہ دونوں کے فوائد کو جمع کیا ہو۔ اور دونوں کو حاصل کرنے کی ترغیب دی ہو۔

۴۔۔۔ وحدتِ حق: حق فطرتاً قابلِ تقسیم نہیں۔ اور نہ کسی زمان و مکان یا قوم سے مختص ہے۔ مثلاً دو دونی چار حق ہے۔ ہر ملک اور ہر زمانے میں یہی حق حق رہے گا۔ آسمانی حق جو انسانوں تک بذریعہ انبیاء علیہم السلام پہنچا ہے، وہ اصولی طور پر ایک ہے۔ اور اس کے لانے والے رسل و انبیاءؑ سب کے سب حق پر تھے۔ لہٰذا فطرتِ انسانی کا تقاضا یہ ہے۔ کہ دین عالمگیر میں اس امر کی قطعاً گنجائش نہیں کہ بعض انبیاء کو تسلیم کیا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔ اگر کوئی دین ایسا ہے جس میں تفریق بین الرسل ہو وہ فطری اور عالمگیر دین نہیں ہو سکتا۔

۵۔۔۔ وحدت نسبت و مساوات انسانی: انسان کو خالق کائنات کے ساتھ عمومی نسبت ایک ہے اور وہ نسبت ہے خالق اور مخلوق کی اور عبد اور معبود کی یعنی خالق کائنات سے کسی خاندان یا قوم کا بجز عبدیت کے اور کوئی رشتہ نہیں۔ سب یکساں طور پر اس کے بندے اور مخلوق ہیں۔ لہٰذا جو کچھ فرق مراتب ہوگا وہ عبدیت کی بنیاد پر ہوگا۔ اطاعت کی اساس پر ہوگا۔ نسل اور قوم کی بنیاد پر نہ ہوگا۔ اور قانونِ عدل کی نگاہ میں سب مساوی ہوں گے۔

۶۔۔۔ قوۃ اصلاح: بدن کے علاج کے لئے وہی دوا استعمال کی جاتی ہے جس میں اصلاحِ مرض کی تاثیر موجود ہو۔ اور جس قدر وہ تاثیر قوی ہوتی ہے وہ مقبول عام بن جاتی ہے۔ اور عالمگیر صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پھر جس طرح انسان کو جسمانی امراض کے لئے دوا کی ضرورت ہے۔ اس سے زیادہ روحانی امراض کے ازالہ کے لئے اس کو روحانی دوا کی ضرورت ہے۔ کیونکہ روح بدن پر حکمران ہے۔ حکمران کی درستی رعیت کی درستی ہے۔ بدن کا خمیر چونکہ زمین سے بنا ہے۔ اس لئے اس کی دوا بھی آسمانی ہوگی جو دین الٰہی ہے۔ دین الٰہی اور اس کی عالمگیری اس کی اصلاحی قوت سے

معلوم کی جاتی ہے ــــــ

۷ ــــ شانِ جامعیت : امراضِ جسم و روح کی قسمیں چونکہ مختلف اور متعدد ہیں۔ اس لئے عالمگیر دین وہ ہوگا جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ کی دوا موجود ہو۔ خواہ اعتقادی شعبہ ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا سیاسی۔ معاشی ہو یا معادی۔ دنیاوی ہو یا اخروی۔ ایسا نہ ہو کہ اس دین میں صرف چند مذہبی رسوم پر اکتفا کیا گیا ہو۔

۸ ــــ معقولیت : فطرتِ انسانی میں ایک امتیازی وصف عقل ہے۔ اگر کوئی دین ایسا ہو جس کے اصول عقل کے لئے قابلِ تسلیم ہوں تو وہ دین عالمگیر ہے ورنہ نہیں۔

۹ ــــ دنیا و آخرت کے درمیان صحیح ربط اور دونوں میں اعتدال۔

۱۰ ــــ دوامِ دین و محفوظیت۔

معیارِ اول ــــ دعوائے عالمگیری

آج کل مسیحی پادری اس امر پہ زور دے رہے ہیں کہ مسیحیت عالمگیر ہے۔ لیکن یہ مصنوعی عالمگیری ہے۔ کیونکہ وہ خود اقرار کرتے ہیں، کہ مسیحی دین اس لئے عالمگیر ہے۔ کہ مسیحیوں نے انجیل اور بائیبل کی دنیا کے مختلف زبانوں میں تراجم کئے ہیں۔ دنیا کے گوشے گوشے میں مشنری بھیجے گئے ہیں۔ مسیحیوں کی بڑی بڑی سلطنتیں موجود ہیں جو دینِ مسیحی کے عالمگیر ہونے کی دلیل ہیں لیکن یہ سب امور مسیحیوں کے فعل و عمل سے وجود میں آتے ہیں جس سے مصنوعی عالمگیری تو ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن حقیقی عالمگیری ثابت نہیں ہو سکتی۔ تا وقتیکہ خود دینِ مسیحی میں ایسا ثبوت موجود نہ ہو کہ وہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ نہ صرف کسی خاندان کے لئے لیکن انجیل اس دعوے کے ثبوت سے خالی ہے۔ بلکہ قرآن اور انجیل دونوں کی متفقہ تصریحات بتا رہی ہیں۔ کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام دونوں کی شریعت کا تعلق صرف خاندانِ اسرائیل سے تھا۔ لیکن اس کے خلاف قرآن کا صاف اعلان ہے کہ۔

وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین اور وما ارسلناک الا کافۃً للناس اور یایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا کہ قرآن و اسلام کسی قوم یا خاندان سے مختص نہیں۔ بلکہ وہ عالمی اور بین الاقوامی دین ہے۔ جو ہر قوم اور ہر زمانے کے لئے ہے۔ انسانی فطرت جس طرح عالمگیر ہے اسلام بھی اسیطرح عالمگیر ہے۔ اسلام درحقیقت فطرت کی اصلی تصویر ہے۔

دینِ عالمگیر کا معیارِ دوم ...... "توحیدِ خالص"

دین کا مرکزی نقطہ خالقِ کائنات کا صحیح تصور ہے۔ اسلام نے خالقِ کائنات کی عظمت

اور اس کی ذات وصفات، وافعال کی وحدانیت کا جو اعلیٰ اور معقول تصوّر پیش کیا ہے۔ اس کی نظیر کسی دین میں موجود نہیں عقل انسانی اور فطرت بشری کے لئے خداوند تعالیٰ کے متعلق اگر کوئی تصور قابل قبول ہو سکتا ہے تو وہ صرف اسلامی تصوّر توحید ہے۔ کائنات میں جو قوانین قدرت و ضوابط عمل غیر محدود زمانے سے جاری اور ساری ہیں۔ ان میں پوری یگانگت اور کامل یکسانیت موجود ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نظام کائنات میں پوری وحدت ہے۔ اور اس وجہ سے عقل اس یقین پر مجبور ہے کہ جس ذات کے ہاتھ میں نظام کائنات کی باگ ڈور ہے وہ ایک ہی ہے۔ اور یہی توحید خالص انسانی عقل کا فطری و مرکزی نقطہ ہے۔ جو صرف اسلام میں موجود ہے۔ نہ مسیحیت وغیرہ ادیان میں۔ خالق کائنات کا یہ تصوّر توحید انسانیت کا عالمگیر بین الاقوامی اور بین الانبیائی عقیدہ ہے۔ وما ارسلنا قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الٰہ الا انا فاعبدون ط

خدا کے متعلق مسیحی تصوّر

خدا کے متعلق مسیحی تصوّر یہ ہے کہ خدا تین شخصوں کا مجموعہ ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس کا۔ اور پھر جب سوال کیا جاتا ہے کہ ایک خدا میں تین شخص کس طرح ہوئے تو جواب ملتا ہے کہ تم ٹھیک نہیں سمجھ سکتے کیونکہ ایمان کا یہ ایک بھید ہے۔ (مسیحی تعلیم ص ۳۰) کیا اس توحید در تثلیث اور تین مل کر تین ہونے کی بجائے ایک ہونے کو کوئی ایک عقلمند شخص بھی مان سکتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو عالمگیر طور پر تسلیم کیا جائے۔

دوسرا عیسائی فرقہ حضرت عیسیٰ کو پورا خدا مانتا ہے۔ قرآن نے اس کی تردید کی اور توحید خالص کا اعلان کیا۔ جو تمام انبیاء علیہم السلام کا اصلی دین ہے۔ اور تثلیث خود ساختہ اور من گھڑت دین ہے جس کو غلط طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ باوجود تحریف در تحریف کے دین فطرت کی یہ حق آواز آج تک بھی انجیل و تورات میں موجود ہے۔

انجیل مرقس باب ۱۲۔ آیت ۲۸ - ۲۹ میں ہے۔ "یسوع نے فرمایا اے اسرائیل سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے"

تورات، سفر استثنا باب ۶ آیت ۴ میں ہے۔ "سن لے اے اسرائیل خداوند ہی ہمارا ایک خدا ہے"

عالمگیر دین کا تیسرا معیار

"ہمہ جہتی ترقی" انسان چونکہ بدن اور روح دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور دونوں کی ترقی انسان کا فطری مطلوب ہے یعنی مادی اور روحانی

ترقیاں یکساں مقصود ہیں۔ کسی ایک جز کی ترقی کامل اور صحیح ترقی نہیں۔ بلکہ بدن سے زیادہ روح کی ترقی ضروری ہے کہ وہ بدن پر حکمران ہے۔ اور بدن کو استعمال کرتی ہے۔ اگر بدن ترقی یافتہ ہو اور روح غیر ترقی یافتہ تو یورپ اور امریکہ کی طرح وہ روح مادی ترقی کو اپنی ناجائز خواہشات میں استعمال کرے گی۔ اور جوشِ تعصب نسلی و قومی کی وجہ سے انسانی کشت و خون کی وہ قیامتیں بپا کرے گی جس سے انسانیت کے لئے دنیا جہنم کدہ بن کر رہ جائے گی۔ اور دنیا سے راحت، اطمینان، چین رخصت ہو جائے گا جیسا کہ گذشتہ دو عظیم جنگوں میں دنیا نے دیکھ لیا۔ مسیحی دین، بدھ ازم، اور ہندو مت میں سارا زور بدن کے جائز تقاضوں کو کچلنے پر صرف کر دیا گیا ہے۔ اور دنیا سے بے تعلقی، تجرّد، اور ریاضات شاقہ کو دین سمجھ لیا گیا ہے۔ جو فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ فطرتِ انسانی کا تقاضہ یہ نہیں کہ انسانی خواہشات کا ازالہ ہو بلکہ ان کا امالہ مقصود ہے۔ کہ ان کو صحیح محل میں استعمال کیا جائے اور غلط محل میں ان کے استعمال کو روکا جائے۔ یہی فطری تعلیم ہے۔ جو صرف اسلام میں ہے ــــــ

اسلام دین و دنیا بدنی اور روحی ترقی کا جامع ہے

اسلام نے بدنی منافع و فوائد اور مادی ترقی سے گریز کو رہبانیت سے تعبیر کر کے اس کی تردید کا اعلان کیا ہے۔ ولا رھبانیۃ فی الاسلام۔ اس خالص رہبانی تصور کے خلاف زندگی کا خالص مادی تصور ہے جو یورپ، امریکہ اور ان کے مقلدین کا عملی دین ہے۔ جس میں سارا زور اس پر صرف کیا جاتا ہے۔ کہ مادی اور بدنی خوش حالی حاصل ہو اور بس۔ روح کی بلندی اور پاکیزگی کو انہوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ غم اور خوشی کا اصلی میدان دل اور روح ہے۔ نہ مادہ اور بدن جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ جدید انسان کے پاس اگرچہ مالی فوائد کا بے انتہا سامان موجود ہے۔ لیکن خوشی، اطمینان، دل کا چین موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس دورِ ترقی و خوش حالی میں خودکشی کے جس قدر واقعات پیش آتے ہیں۔ انسانی دورِ غربت و افلاس کی پوری تاریخ میں اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں آیا ــــــ

اسلام نے ایک طرف، عقائد، اخلاق اور عبادات کا وہ بہترین نظام انسان کو دیا۔ جس کی وجہ سے انسانی روح اور انسانی حیات خالقِ ارواح اور خالقِ حیات سے مکمل طور پر مربوط ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے عالم تغیر کی کوئی آفت اور بدلتی دنیا کا کوئی واقعہ اس کے اطمینان کو ڈگمگا نہیں سکتا۔ حقیقی مسلمان درویشی میں بھی امیر سے زیادہ خوش حال ہوتا ہے۔ کیونکہ تعلق باللہ قناعت

پیدا کرتا ہے۔ جو حقیقی غنا ہے۔ اور تعلق بالمال سے حرص پیدا ہوتی ہے۔ جو غربت اور محتاجی ہے۔ غنا اور حاجت کا مرکز قلب ہے نہ مال۔

قناعت سے مراد بقول امام ربانی مجدد الف ثانیؒ حرص دنیا کی کمی ہے۔ کہ نہ کسی چیز کے آنے کی خوشی ہو اور نہ جانے کا غم۔ امام غزالیؒ نے فرمایا ہے۔ خواہشات پر غالب آنا فرشتوں کی صفت ہے۔ اور خواہش سے مغلوب ہونا حیوانیت ہے جو چوپائیوں کی صفت ہے۔ معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ دولت کے بھوکے کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی۔ مفلسی بھی خطرناک ہے لیکن وہ دولت مندی جس کے ساتھ ضبط نفس نہ ہو وہ غریبی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ امام حسن بصری کا قول ہے کہ خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ ہے اور بھرا پیٹ شیطان کا اکھاڑہ ہے۔

شفیق بلخی نے فرمایا کہ لوگ چار باتوں میں اللہ کی موافقت کرتے ہیں اور عمل میں خلاف کرتے ہیں۔ ۱۔ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بندے ہیں۔ اور عمل آزادوں جیسے کرتے ہیں۔ ۲۔ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارے رزق کا کفیل ہے۔ اور دل ان کے مطمئن نہیں مگر دنیا کی چیز سے۔ ۳۔ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ لیکن دنیا کے لئے مال جمع کرتے ہیں۔ اور آخرت کے لئے گناہوں کو ۴۔ کہتے ہیں کہ ہم ضرور مرنے والے ہیں۔ لیکن عمل ایسا کرتے ہیں۔ کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں۔

دین و دنیا کے کاموں میں راہِ اعتدال وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ جائز دنیا کے لئے ایسا کام کرو کہ گویا اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور آخرت کے لئے ایسا کام کرو کہ گویا کل مرنا ہے۔ اِعْمَلْ لِدُنْیَاکَ کَاَنَّکَ تَعِیْشُ اَبَدًا وَاعْمَلْ لِاٰخِرَتِکَ کَاَنَّکَ تَمُوْتُ غَدًا۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً ط حضرت فاروق اعظمؓ کا قول ہے۔ کہ کسی مسلمان کو زیبا نہیں کہ تلاشِ رزق سے بیٹھ جائے اور دعا کرے کہ اے خدا مجھ کو رزق دے۔ کیونکہ تم کو معلوم ہے۔ کہ آسمان سے سونا، چاندی نہیں برستا۔ (مخزن الاخلاق)

(باقی آئندہ انشاء اللہ)

(بقیہ خاندانی منصوبہ بندی)

اور منافی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ انسان جانوروں کی سی شکل و صورت اختیار کرے۔

وبعض زینتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جنہیں طبیعت	وما یکون تعمقًا فی ابداع مالا
اور فطرت کے خلاف بہت تعمق سے نکالا	تقتضیہ الطبیعۃ وھو غیر محبوب
جاتا ہے۔ ایسی زینتیں بالکل غیر پسندیدہ	اذا خلی الانسان وفطرتہ عدہ منکرا

ہیں۔ بلکہ اگر انسان کو بالکل بحیثیت بالطبع چھوڑا جائے۔ تو وہ ان کو منکر شمار کرے گا۔ (یعنی شکل و صورت کا بگاڑنا سمجھے گا۔)

سلسلہ ۳
دعوات عبدیت حق

جزاء وسزا اور محاسبۂ اعمال کا دن

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

(خطبۂ جمعۃ المبارک ۳ صفر المظفر ۱۳۸۵ھ)

ضبط و ترتیب ادارۂ الحق

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم - عن ابی ھریرۃؓ قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوماً بارزاً للناس فاتاہ رجل فقال متی الساعۃ قال ما المسئول عنھا باعلم من السائل وساخبرک عن اشراطھا اذا ولدت الامۃ ربتھا - الخ

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام صحابہؓ کی مجلس میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا۔ اور حضورؐ سے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس بارہ میں آپ سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ البتہ قیامت کی نشانیوں سے تجھے آگاہ کر دوں گا۔ پہلی نشانی یہ کہ باندی اپنی آقا اور مالک کو جننے لگے۔ الخ

محترم بزرگو! میں نے ایک مفصل حدیث کا ٹکڑا پڑھا ہے۔ اس کے ایک حصہ کے بارہ میں کچھ بیان ہوگا جس میں قیامت کے بارہ میں دریافت کیا گیا ہے۔ اور حضورؐ نے اسکی چند علامات بیان فرمائی ہیں۔ اسلام نے ہمیں جن پاکیزہ عقائد کی تعلیم دی ہے۔ اس میں ایک اہم عقیدہ قیامت، کا بھی ہے کہ قیامت حق اور آنے والی ہے۔ دیگر آسمانی مذاہب میں بھی یہ عقیدہ پایا جاتا ہے۔ گو صحیح رنگ میں نہ ہو مگر جو

کافر کا مقصدِ حیات

لوگ ملحد یا لامذہب اور آسمانی تعلیمات سے بے بہرہ ہیں وہ قیامت سے منکر ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما نحن بمبعوثین - (الآیۃ) (یہی دنیا کی چند روزہ زندگانی ہے۔ کہ جیتے اور پھر مریں گے اور آئندہ بھی ہم اٹھائے جانے والے نہیں)۔۔۔۔۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جو مرا بس خاک ہوکر اس کا قصہ ختم ہوا۔ باقی دنیا میں اپنی قسمت کے مطابق کوئی پچاس سال کوئی ساٹھ سال عیش و عشرت سے زندگی بسر کر دیتا ہے۔ اس لئے

یہ لوگ ہر چیز سے آزاد اور بے پرواہ ہیں۔ ان کا مقصد حیات صرف دنیا ہے۔ کہ عزت و دولت شہرت و راحت کسی طرح حاصل ہو جائے۔ یہ لوگ دین۔ قوم ماں باپ بہن بھائی کے حقوق کیا جانیں جبکہ ان کو حساب وکتاب کا فکر نہیں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ بعض منکر خدا اقوام نے بھی ملک کے نظام اور امن وامان کیلئے کچھ قوانین وضع کر لئے ہیں۔ مگر وہ بھی صرف باہمی مفادات کی وجہ سے۔ اور خود غرضی کا جذبہ اس میں بھی پنہاں ہے۔ ورنہ یہ لوگ نہ خدا کے حقوق ماننے کے قائل ہیں نہ مخلوق کے۔

مومن کا مقصدِ حیات

دوسری طرف اسلام ہمیں سکھلاتا ہے۔ کہ موجودہ زندگی آخرت کا وسیلہ ہے۔ جو دائمی اور ابدی مسرت وشادمانی کی زندگی ہے۔ مسلمان کا عقیدہ ہے کہ موجودہ تمام عالم ایک دن ختم ہو کر دوبارہ پیدا ہوگا۔ نہ صرف انسان بلکہ حیوانات، چرند پرند سب کا اعادہ ہوگا۔ ہر شخص کا محاسبہ ہوگا۔ دعاوی ہوں گی اور اس کے ثبوت کے لئے دلائل اور شواہد پیش ہوں گے۔ یہ بحر وبر اور یہ کون ومکان سب گواہ بن کر حاضر ہوں گے جس جگہ تم نے نماز پڑھی نیک اعمال کئے وہ جگہ اور وہاں کی ہوا بھی گواہی دے گی۔ نماز باجماعت میں شامل ہونے والے ایک دوسرے پر گواہ ہوں گے۔ موذن کی آواز جہاں جہاں پہنچتی ہے۔ وہ تمام اشیاء گواہی دیں گی۔ چالاک اور خود سر لوگ جسطرح دنیا میں گواہوں کی موجودگی میں جرم کا اعتراف نہیں کرتے وہاں بھی ایسے لوگ کہیں گے۔ واللّٰہِ رَبِّنا ماکُنّا مشرکین۔ (قسم ہے اے ہمارے رب، ہم مشرک نہیں تھے۔) یہ تو سب تیری ہی مخلوق ہے ہیں ان کی گواہی صحیح نہیں تسلیم کرتا۔ تو خداوند تعالیٰ اسکی قوت گویائی سلب فرما کر اس کے اعضاء اور جوارح ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھ اس کے اعمال بد جوا، چوری، ظلم، زنا، ناجائز نظر وغیرہ پر گواہ ہوں گے۔

الیوم نختمُ علی افواھھم وتکلّمُنا ایدیھم وتشھدُ ارجُلُھُم بما کانوا یکسبون۔	آج ہم انکے منہ پہ مہر کر دیں گے اور جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے تھے۔ اسکو انکے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں انکی گواہی دیں گے۔

جیسے آجکل گراموفون یا ٹیپ ریکارڈ بج کر سب کچھ بیان کرتا ہے۔ یہی منظر وہاں بھی سامنے آئے گا اور آجکل کی سائنس نے یہ مان لیا ہے۔ کہ آوازیں تک بھی فضا میں محفوظ ہیں۔ ووجدوا ما عملوا حاضرا۔ (اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ اسے حاضر پائیں گے۔) نیز جسطرح آج کل یورپ میں بعض دفعہ عین جرم کرتے وقت تصویر لے لی جاتی ہے۔ جسے بعد میں عدالت میں پیش کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح

وہاں بھی اعمال متشکل بن کر سامنے آئیں گے۔ ہر حال عمل کرتا ہوا سامنے آئے گا۔ اسلام نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ دنیا نہ جزار کی جگہ ہے۔ نہ سزا کی۔ جزار کا بدلہ کام اور وقت سے پہلے نہیں ملا کرتا۔ دنیا کی زندگی میں بھی سب کیلئے محنت اور مزدوری کا وقت مقرر ہے۔ اور وقت سے پہلے تنخواہ نہیں ملا کرتی۔ اسی طرح جزار و سزا کیلئے خدا نے یوم القیامۃ پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی انسان پر بیشمار نعمتیں

بھائیو! اتنا سوچو کہ ہم اس دنیا میں خود نہیں آئے نہ خود پیدا ہوئے کسی نے ہمیں پیدا کیا۔ پھر ہر ہر سیکنڈ کروڑوں نعمتیں ہیں جن کے لئے ہم اپنی زندگی میں محتاج ہیں۔ یہ زمین ہمارے چلنے پھرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اگر ذرا بھی قدموں سے سرک جاتے تو زندگی ختم ہو جائے۔ سورج کو روشنی اور حرارت کے لئے محتاج الیہ بنایا اگر اسکی حرارت نہ ہوتی تو فصل کہاں سے پکتا۔ ہوا اور پانی نہ ہوتے تو زندگی کیسے باقی رہ سکتی۔ یہ آنکھیں نہ ہوتیں تو دیکھتے کہاں سے زبان حرکت نہ کر سکتی تو بولتے کیسے، کان نہ ہوتے تو سنتے کیسے۔ ہاتھ پاؤں نہ ہوتے تو اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا محال ہو جاتا ـــــ گویا کروڑوں نعمتیں ہیں جن پہ ہماری زندگی کا دارو مدار ہے۔ یہ نعمتیں کس نے دی ہیں؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ ایک ماوراء الادراک اور مافوق الفطرۃ طاقت ہے جس طرف سے انعامات کی بارش ہو رہی ہے۔ اور اسی کو خدا کہا جاتا ہے۔ وہی ذات جس نے ہمیں پیدا کیا، ہماری پرورش کی، وہ ہمارا خالق اور رب ہے۔ تو کیا اس خالق کا ہم پہ کوئی حق نہیں۔؟ ـــــ ایک زمیندار بغیر ادائے حق کے مالک سے دس من گیہوں نہیں لے سکتا نہ ایک ملازم بغیر کام کے تنخواہ مانگ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ گائے اور بیل کو بھی بغیر ہل چلانے کے چارہ اور گھاس نہیں دیا جاتا تو جس ذات نے ہمیں اس چارے اور گھاس کا مغز گندم اور غلہ دیا تو اس کا کوئی حق نہیں۔ اور کیا یہ سب کچھ بلا مقصد ہو رہا ہے۔؟

افحسبتم انما خلقناکم عبثاً وانکم الینا لا ترجعون فتعالی اللہ الملک الحق۔

تم سمجھتے ہو کہ کیا ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا اور کیا تم ہماری طرف واپس نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ سو اللہ تعالیٰ جو بادشاہ حقیقی ہے اور بہت بلند و بالا تر ہے۔

انسان کا کوئی کام بغیر حکمت کے اور بے فائدہ نہیں ہوتا۔ تو خدا جو اس سارے کارخانہ کا خالق، قادر حکیم اور منتظم ہے۔ کیا اس نے یہ کارخانہ عالم لغو پیدا کیا؟ ایک عقلمند یہی کہے گا۔ کہ ان نعمتوں کے دینے والا آقا کے حقوق ہیں۔ اور ان حقوق کو پورا کرنے والا اس کا جزار یقیناً الگ صورت میں پائے گا۔

قیامت کی ضرورت

اب جبکہ اس عالم کی تمام نعمتوں سے منکر اور مومن۔ کافر اور مسلمان

باغی اور مطیع سب یکساں فائدہ اٹھا رہے ہیں. اس روئے زمین پر اللہ جل مجدہ کی نعمتوں کا جو دستر خوان بچھا ہے. نہ صرف مسلمان بلکہ سکھ انگریز. یہودی اور عیسائی بدکار قاتل فاسق اور فاجر سب اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں چین تا امریکہ قطب جنوبی تا قطب شمالی برابر ان نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں. غرض یہ آسمان اور زمین تمام ہی نوع انسان کے لئے کار آمد ہے. اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

الم نجعل الارض مهاداً والجبال	کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخ
اوتاداً وخلقنكم ازواجاً وجعلنا	نہیں بنایا. اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا
نومكم سباتاً وجعلنا الليل لباساً	بنایا. اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو آرام
وجعلنا النهار معاشاً وبنينا فوقكم	اور رات کو پردہ اور دن کو کمائی کا وقت
سبعاً شداداً وجعلنا سراجاً وهاجاً	بنایا اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات
وانزلنا من المعصرات ماءً ثجاجاً	مضبوط آسمان بنائے. اور آفتاب کو
لنخرج به حباً ونباتاً وجنٰت الفافاً.	روشن چراغ بنایا. اور ہم ہی نے پیسنے

والے بادلوں سے بکثرت پانی برسایا تاکہ ہم اس پانی سے غلہ اور سبزہ اگائیں اور گنجان باغ پیدا کریں.

جبکہ یہاں ظالم و مظلوم دیندار اور بے دین سب ان نعمتوں میں شریک ہیں. اب اگر قیامت کا عقیدہ نہ مانا جائے اور جزاء و سزا کا دن نہ ہو تو یہ اندھیر نگری ہو جائے گی. دنیا غدار و وفادار کو ایک نظر سے نہیں دیکھتی. زمیندار بھی دودھ دینے والے اور سوکھی گائے بھینس کو ایک نظر سے نہیں دیکھ سکتا. تو کیا اللہ تعالیٰ جو خالق عالم حکیم و علیم ہے. وہ مومن و کافر کے درمیان فرق نہ کرے گا. اور وہ ایک نہ ایک دن ظالم کو سزا اور مظلوم کو اس کی جزا نہ دے، تو مطلب یہ ہوگا. کہ اس دنیا میں تو ظالم و مظلوم نے یکساں زندگی بسر کی. اس کے عدل و انصاف کا ظہور کب ہوگا. مسلمان کے نزدیک اس ظہور کے موقعہ کو قیامت کہتے ہیں. دنیا اور قیامت کی مثال ایسی ہے جیسے کاشتکار نے غلہ بویا، کھاد ڈالی، پانی دیتا رہا. غلہ کے ساتھ گھاس کانٹے بھی پیدا ہوتے رہے. مگر کاشتکار ایک خاص وقت تک یکساں سب کو سیراب کرتا رہا. اور اس کے کھاد اور پانی سے اناج اور پھل کی نسبت گھاس اور بھوسہ زیادہ فائدہ حاصل کرتا رہا. دنیوی نفع بھی ظالم و سرکش زیادہ حاصل کرتے ہیں. اہل حق و دیندار مغلوب اور گمنام ہوتے ہیں. غرض چھ ماہ بعد کاشتکار نے کٹائی کے وقت فصل کاٹا اور کھلیان میں ڈال کر بھاری بھاری مشینوں اور بیلوں سے روند ڈالا ہر طرح لے

پامال کیا۔ پھر گھاس اور بھوسہ الگ کر کے اسے جلا ڈالا۔ اور اناج کو صاف کر کے بحفاظت وصفائی رکھ دیا۔ اس زمیندار نے انصاف کیا۔ بھوسہ الگ کرنا ضروری تھا۔ مگر کافی عرصہ بعد اس نے اناج اور بھوسہ میں یہ امتیازی سلوک برتا۔

ایک شبہ اب اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ صرف نیکی وسچائی والے دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں اور تمام بے دین ملحد ختم ہوں۔ برائیوں کا وجود ہی نہ ہو۔ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی یہ زندگی گویا کاشتکار کے فصل کے چھ مہینے ہیں۔ کہ اس میں پھل اور کانٹے یکساں فائدہ اٹھائیں گے۔ کہ اس کھلیان پر حق و باطل کو الگ کر دیا جائے گا۔ اہل حق جنت اور اہل باطل جہنم میں بھیج دئے جائیں گے۔ پھر وہاں ہر ہر عمل کا بدلہ آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ قیامت جو تمام عالم کے اعادہ کا نام ہے۔ یعنی نہ صرف زید کو زندہ کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے تمام ماحول اور اس کی کارکردگی کے گواہ اور محل وقوع یعنی زمین وآسمان کو دوبارہ پیدا فرما دے گا۔ اس لئے صرف دعویٰ نہ ہوگا۔ بلکہ اس عدالت میں نہ صرف انسان بلکہ اس کا گھر بار نباتات وجمادات سب گواہ بنیں گے۔ ہر شخص کا علیحدہ فائل اور صحیفۂ اعمال ہوگا ——— دنیوی نعمتوں کے ذکر کے بعد خدا نے فرمایا : انّ یوم الفصل کان میقاتا۔ (بیشک فیصلہ کا دن ایک مقررہ وقت ہے۔)

ہندوؤں کا عقیدۂ تناسخ قدیم فلاسفہ اور ہندوستان کے ہندو بھی ایک حد تک جزاء وسزا مانتے ہیں۔ لیکن قیامت کو نہیں بلکہ تناسخ کے قائل ہیں۔ کہ نیکوں کے روح بادشاہ، شاہزادہ یا کسی اونچے گھرانے کے افراد کے جسموں میں لوٹ کر آتے ہیں۔ اور برے اعمال والے کتے سانپ اور خنزیر کے جسم میں داخل ہو کر اسی شکل میں اپنے کئے کی سزا پاتے ہیں۔ میں زمانۂ طالب العلمی میں میرٹھ میں تھا۔ وہاں قیامت کے مسئلہ پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مناظرہ ہوا۔ مسلمان مناظر نے کہا کہ تمہاری مذہبی کتابوں میں ہے۔ کہ گوشت کھانے والا شخص دوبارہ دنیا میں کتے کی شکل میں آئے گا۔ اور میں نے خود بھی کباب وغیرہ کھایا تھا۔ اور یہ جو بڑے بڑے ہندو بیرسٹر وغیرہ موجود ہیں سب شراب وکباب والے ہیں۔ اور گوشت کھا چکے ہیں۔ جب مجھے ہندو دھرم کی کتابوں سے کتا بن کر سزا پانے کا علم ہوا۔ تو سخت متحیر ہوا کہ اب اس گناہ کی معافی بھی ہوگی یا نہیں۔ مجھے کہا گیا کہ اس گناہ کی معافی نہیں ہو سکتی۔ حیران تھا کہ کتا بننے سے کیسے بچوں اور سوچا کہ کتا بن کر مسلمانوں کے گھروں میں ہڈیاں چباتا پھروں اس سے تو یہ بہتر ہے کہ مذہب اسلام اختیار کر لوں۔ کہ کتا بھی نہ بنوں اور گوشت بھی جی بھر کر کھاؤں۔ کیونکہ

اسلام میں تمام گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً۔ (یقیناً اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے۔)

ہندو مذہب میں خدا کا تصور یہ ہے کہ ایک دفعہ گناہ کرنے کے بعد تمام عمر معافی مانگو وہ کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔ جیسے کہ زبردست جابر و حاسد حاکم کبھی معاف نہیں کرتا۔ اسلام میں خدا کی شانِ رحمٰن و رحیم بیان کی گئی ہے۔

یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم	اے میرے بندو جنہوں نے اپنے آپ پر
لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔	زیادتی کی ہے اللہ رحمت سے مایوس مت ہو۔

اللہ تعالیٰ مشفق ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے۔ صرف معافی مانگنے کی دیر ہے۔ معافی دینے میں کوئی مانع نہیں ——

تناسخ کا یہ عقیدہ ہر لحاظ سے غلط اور خلافِ عقل ہے۔ دنیا میں ہر مجرم اور نیکی کرنے والے کو جزا یا سزا کے وقت اپنی نیکی یا بدی کا علم ہوتا ہے۔ آج بھی بہادری اور شجاعت والوں کو تمغے دئیے جاتے ہیں۔ اور قیدی کو اپنے جرم و سزا کا پورا حال سنوا دیا جاتا ہے۔ عقیدہ تناسخ کے مطابق تو ہزاروں لاکھوں کتے اور خنزیر ہوئے ہیں۔ اور کئی اپنی نیکیوں کی جزا میں نعمتوں میں پل رہے ہیں۔ مگر مجرم کو جرم اور انعام پانے والوں کو اپنے عمل کا علم ہی نہیں۔ آج تک اپنا پہلا جنم کسی کو یاد ہی نہیں تو اس کے اعمال و افعال کسطرح معلوم ہوں۔ پہلے جرم کا اثبات ہوتا ہے۔ اگر جزاء و سزا کیلئے پہلے جنم کے گواہوں کو پیش کیا جائے تو گویا اعادہ عالم یعنی قیامت مان لینا ہوا۔ اور اگر مجرم ایک عالم میں اور اس کے گواہ دوسرے عالم میں رہیں تو بلا ثبوت و اثبات جزاء و سزاء دی گئی جو سراسر عدل و انصاف کے خلاف ہے۔ ادھر اسلام نے واضح تعلیم دی ہے۔ کہ از آدم تا قیامت تمام مخلوق یہاں سے فائدہ اٹھائے گی۔ یہ دار العمل ہے دار الجزاء نہیں۔ اور ایک مقررہ وقت پر تمام مخلوقات جاندار و غیر جاندار سب معادہوں گے۔ اور اسی دن کو قیامت اور یوم الساعت کہا جاتا ہے۔ بس عقلمندی یہ ہے۔ کہ وہاں کے لئے تیاری کی جائے۔ نہ یہ کہ اس کی تاریخ معلوم کرنے کے پیچھے پڑ جائے۔ ہوشیار شخص کو اگر کہا جائے کہ یہ چھت کمزور ہے اگر جائے گی تو وہ اس کے مضبوط کرنے کی کوشش کرے گا۔ نہ یہ کہ بارش کب ہو گی اور یہ کب گرے گی۔ قیامت کے بارہ میں قطعی علم بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہیں۔ البتہ حضرت جبرائیلؑ نے اجنبی کی شکل میں آکر حضور علیہ السلام سے اس کے بارہ میں سوال کیا حضور اقدسؐ نے حکیمانہ انداز میں جواب دیا اور کچھ

علامات بیان فرمائیں کہ جیسے انسان جب بوڑھا ہو جائے، سنبھل نہ سکے، اس کے اعضاء گرنے لگیں تو سمجھئے کہ اس کے مرنے کا وقت قریب ہے۔ اسی طرح اس عالم اکبر دنیا کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ جب اصول اور افضل ذلیل مغلوب ہوں اور کم تر و فرومایہ اشیاء اور فروعات غالب اور معزز ہو جائیں تو قیامت قائم ہونے اور قریب ہونے کی علامت ہے۔ مثلاً فرمایا کہ اولاد ماں پر مالک کی طرح حاکم بن جائے یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ عالم اکبر کی فضاء بالکل مسموم ہو چکی ہے۔ اور خبث انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ کیونکہ کتا بھی ایک ٹکڑے کے بدلے ساری رات اپنے محسن کی چوکیداری کرتا ہے اور چوپایہ بھی گھاس چارے کے بدلے مالک کی خدمت کرتا ہے جب کہ محسن کی قدردانی اور وفاداری کا جذبہ حیوانات میں بھی ہو۔ پھر انسان اس سے بھی محروم ہو جائے۔ تو یہ اس عالم کی تباہی کی دلیل ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے بعد سب سے زیادہ احسانات والدین کے ہیں۔ سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور ہمدرد والدین ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عقل سلیم والا کوئی شخص کبھی ماں باپ کی خدمت اور حسن سلوک اور قدردانی سے انکار نہیں کر سکتا۔

دوسری علامت حضورؐ نے یہ تبلائی کہ عورتیں مالک جننے لگیں گویا کہ عورت نے مالکہ کو جنا ہو اور ماں نے لڑکی کو نہیں بلکہ ماں کو جنا ہو ہر لڑکی ماں پر ایسی حاکم گویا یہ اس کی باندی ہے۔ اور لڑکی اس کی مالکہ یہی حال باپ اور بیٹے کا ہے۔ تو گویا یہ علامت ہے کہ عالم اکبر کا دماغ بالکل ماؤف ہو کر رہ گیا ہے۔ کہ محسن اور غیر محسن افضل اور کم تر کا فرق نہیں رہا جیسے کہ سرسام کے مریض کی امتیازی قوت ختم ہو جاتی ہے۔ اور سب کو گالی دینے لگے تو حکیم کہہ دیتا ہے کہ اب یہ مریض مر جائے گا۔ عالم کا مزاج جب بگڑے گا تو جان لو کہ قیامت سے قبل اس کی فنا ہے۔ اور پھر اعادہ ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن۔

خداوند کریم ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے اگر قیامت کے حساب و کتاب اور حضوری عقیدہ راسخ ہو جائے تو کیا مجال کہ پھر غلطی اور گناہ سرزد ہو۔ یہ دنیا کے اندر عذاب جو ملتا ہے۔ یہ تنبیہات ہیں۔ جیسے مدرسہ کے طالب العلم کو کبھی کبھی استاد تنبیہ کر دیتا ہے۔ مگر اصل فیصلہ قیامت اور جزاء و سزا کے دن ہوگا ۔۔۔۔ ❊

بقیہ صفحہ ۴۳ ہے۔ ایسے نادر موقعے۔ دعا کریں کہ ہمارے ارادوں میں خلوص ہو۔ جو کچھ ہم کریں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کریں۔ اس میں دنیاوی لالچ اور ریاکاری کا شائبہ نہ ہو۔ جنگ ختم نہیں ہوئی، اب ہم سب کو بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہم ناموس دین کی خاطر لڑ رہے ہیں جب ایک دن مرنا ہی ہے تو ہم کیوں نہ ملت اسلامیہ کی خاطر سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو۔ اور ہمیں روسیاہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں کھڑا نہ ہونا پڑے۔ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے دشمن کے مقابلے میں لڑتے وقت ثابت قدم رکھے ۔۔۔۔ ❊

مرتب ۔ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سواتی مہتمم مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

خاندانی منصوبہ بندی اور افکار حکیم الامۃ امام ولی اللہ الدہلوی رح

حضرت مولانا عبدالحمید صاحب مدظلہ جنہیں خانوادۂ ولی اللہی کے علوم و معارف سے خاص شغف ہے کئی اہم کتابیں ان کی تشریح و ترتیب سے شائع ہو چکی ہیں۔ اس مضمون میں خاندانی منصوبہ بندی پر فلیسوف الاسلام امام ولی اللہ دہلوی رح کے محققانہ افکار حضرت مولانا نے پیش کئے ہیں ادارۂ "الحق" ان کا ممنون ہے۔ اور آئندہ بھی جیسا کہ حضرت مولانا نے وعدہ فرمایا ہے، ملت مسلمہ کے اہم مسائل پر امام ولی اللہ کے نظریات و افکار پیش فرمانے کی توقع ہے۔ "ادارہ"

خاندانی منصوبہ بندی (FAMILY PLANNING) یا تحدید نسل، ضبط ولادت (BIRTH CONTROL) اور منع حمل وغیرہ خوشنما الفاظ سے موجودہ زمانہ میں جو مالتھوسی نظریات کے تحت یورپ اور ایشیا کے اکثر ممالک میں ایک دستور جاری کیا گیا ہے۔ یورپ کی تقلید میں پاکستان بھی اس نظریہ سے متاثر ہوا ہے۔ اور کچھ عرصہ سے اس نظریہ کو عام کرنے کے لئے سرکاری سطح پر بھی کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس نظریہ کی تائید میں بعض اشخاص اور اداروں نے بڑی کوشش کی ہے کہ اس عمل کو صحیح اور مفید ثابت کیا جائے۔ اور انہوں نے اس کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں جائز اور مباح بلکہ نہایت ہی ضروری عمل قرار دیا ہے۔ علمائے اسلام نے بھی اس کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ اور اس یورپین نظریہ کی پُر زور تردید کی ہے۔

قرآن کریم اور حدیث نبوی اور فقہ اسلامی کی روشنی میں اس مسئلہ پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ نظریہ جن جذبات یا خیالات سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ان خیالات کو

۱؎ ادھر یورپ میں ہر حقیقت پسند مبصر اور مفکر طبقہ کی نگاہ میں کثرت آبادی کو سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ مشہور مؤرخ ول ڈورانٹ اور ٹائن بی نے اسے تہذیبی ارتقاء کا اہم سبب قرار دیا ہے۔ پچھلے شمارہ کے اداریہ میں اس مسئلہ کی دفاعی اہمیت پر روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

۲؎ انیسویں صدی میں اس تحریک نے انگلستان میں مالتھوسین لیگ کی صورت میں باقاعدہ تنظیمی شکل اختیار کی تھی۔ (سمیع)

بڑی سختی سے ختم کرنے کیلئے قطعی احکام موجود ہیں۔ اور مسلمان بحیثیت مسلم ہونے کے اس کیلئے کوئی چارۂ کار نہیں کہ وہ قرآن کریم، اور پھر سنت رسولؐ، تعامل صحابہؓ کی روشنی میں اس نظریہ کو قطعی طور پر غیر اسلامی قرار دے۔ "تحدید نسل" انسانوں کی خوشحالی کی خاطر اختیار کی جاتی ہے۔ اور آبادی کی کثرت کو وسائل کی قلت کیلئے اقتصادی اور معاشی نقطۂ نگاہ سے متاثر خیال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں "تحدید نسل" کو ضرور سمجھا جاتا ہے۔ اور پھر اس کو باقاعدہ معاشی اور اقتصادی منصوبہ بندی کا جزو سمجھ کر ان میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ بات صرف ایک عمل یا کارگزاری نہیں کہ اس کو آسانی سے برداشت کر لیا جائے۔ بلکہ اس کا تعلق اعتقاد اور ایمان کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ عمل کے ساتھ۔ جب تک مسلمانوں کے اس اعتقاد جازم کو متزلزل نہ کر دیا جائے، جو انہیں قرآن اور سنت پر ہے۔ تو اس وقت تک ایسے نظریات پر عمل پیرا ہو کر کامیابی حاصل کرنا مشکل ہے۔ قرآن کریم میں اس بارہ میں بالکل واضح اور صریح آیات موجود ہیں جن پر ہر مسلمان کا یقین راسخ ہے۔ مسلمانوں کا پختہ اعتقاد ہے۔ کہ خلق، ممات اور رزق تینوں کا بلا شرکت غیرے براہ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے یہ چیزیں اسی کے تسلط اور قبضہ میں ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ (اور کوئی نہیں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اسکی روزی) آیت ۶ سورہ ہود۔

۲۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (اور آسمان میں تمہاری روزی ہے۔ اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔) آیت ۲۲ سورہ ذاریات

۳۔ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ۔ (کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے۔

۴۔ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ (کیا کوئی ہے بنانیوالا اللہ کے سوا روزی دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے) آیت ۳ سورہ فاطر

۵۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ۔ (ہم نے بانٹ دی ہے ان میں روزی ان کی دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دئے ان کے درجے بعض کے بعض پر) آیت ۳۲ سورہ زخرف۔

ادھر دوسری طرف نسل انسانی کی کثرت اور اس کا پھیلنا زمین پر مطلوب ہے۔ خداوند کریم نے بطور امتنان کے اس کو ایک عظیم نعمت قرار دیا ہے۔ ذَرَاَكُمْ اور يَذْرَؤُكُمْ کے الفاظ

سے اس کو ظاہر کیا ہے۔ خداوند کریم کا منشاء نسلِ انسانی کو زمین پر کثرت سے بکھیرنے اور زیادہ کرنے کی طرف ہے۔ نہ کہ نسل کو کم کرنا اور محدود کرنا۔

پھر قرآن کریم نے مطلق نسل کو خواہ حیوانی نسل ہو یا انسانی نسل ضائع کرنے والے لوگوں کو مفسد قرار دیا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت ۲۰۵ ہے:

وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ وَیُہْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ۔	اور جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے (یا جب حاکم بن جاتا ہے) تو کوشش کرتا ہے زمین پر فساد کرنے کی۔ اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کو بالکل پسند نہیں کرتا۔

عام مفسرین کرام نے پہلے معنی کو اختیار کیا ہے۔ مگر امام ولی اللہؒ نے دوسرا معنی اختیار کیا ہے چنانچہ "فتح الرحمٰن" میں اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔ "چوں ریاست پیدا کند" امام کی تقلید میں آپ کے فرزند ارجمند شاہ رفیع الدینؒ نے بھی دوسرا معنی اختیار کیا ہے۔ وہ اسی طرح معنی کرتے ہیں۔ "اور جب حاکم ہوتا ہے"

آیت کے سابق ولاحق میں منافقین کی مذمت ہے۔ اور ان کی فساد انگیزیوں کا ذکر ہے۔ ان کی کارستانیاں یہ ہیں کہ موقع ملے تو یہ مسلمانوں کی کھیتیاں اجاڑتے ہیں۔ فصلوں کو آگ لگا دیتے ہیں۔ جانوروں اور مویشیوں کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ بعض مفسرین کرام نے ذکر کیا ہے۔ کہ نسل سے مراد انسانی اولاد ہے۔ جیسا کہ صاحب روح المعانی علامہ آلوسیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ قطع نظر اس سے آیت کے عمومی الفاظ سے اتنا معاملہ تو بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے۔ کہ نسلِ انسانی کو تباہ کرنا فساد فی الارض ہے۔ اور خداوند کریم کو یہ کسی طرح پسند نہیں ——— اسی طرح سورۂ انعام آیت ۱۴۰ میں ہے:

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَھُمْ سَفَھًا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ افْتِرَآءً عَلَی اللّٰہِ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا کَانُوْا مُھْتَدِیْنَ۔	بیشک وہ لوگ نقصان اور گھاٹے میں پڑ گئے جنہوں نے اپنی اولادوں کو حماقت اور نادانی سے قتل کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نصیب کر رکھا تھا اسے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اللہ پر افترار باندھتے ہوئے۔ بیشک یہ لوگ گمراہ ہوئے اور یہ راہ پانے والے نہیں۔

آیت کے دوسرے جملہ سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو اولاد ان کو ملنے والی ہو۔ اسے اپنے اوپر حرام قرار دے دیتے ہیں۔ منع حمل وغیرہ کے بارہ میں اس آیت کا اشارہ نمایاں ہے۔ اس قسم کے ملعون قوانین خواہ کتنے ہی خوشنما الفاظ سے اور رنگین عبارتوں سے انہیں ظاہر کیا جائے۔ اس آیت کے نیچے

داخل ہو جاتے ہیں۔ اور آیت کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اس طرح کے قوانین خود ساختہ ہیں "افتراء علی اللہ" اور یہ لوگ گمراہ ہیں۔ ان کے پاس کوئی معقول دلیل، صحیح نظریہ حیات، اور قابل عمل فلسفہ نہیں بلکہ محض شیطانی خیالات ہیں جن کے پیچھے یہ جاتے ہیں۔ انسانی روزی کا مالک یہ اپنے آپ کو خیال کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ خالق کائنات خود اس کی منصوبہ بندی کرتا ہے۔ اور وہ ہی اس کا ذمہ دار ہے۔

اسی طرح "اعراف" آیت ۸۶ میں اللہ تعالیٰ نے قوم شعیب کے ذکر میں آبادی کی کثرت کو بطور امتنان کے ذکر فرمایا ہے: وَاذْكُرُوٓا إِذْ كُنتُمْ قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ۔ (اور وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے سے پھر خدا تعالیٰ نے تمہیں تعداد میں زیادہ کر دیا۔)

"سورۂ انفال" آیت ۲۶ میں خود مسلمانوں سے خطاب فرمایا ہے:

وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِى الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَـَٔاوَىٰكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِۦ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ط۔	اور یاد کرو اس حالت کو جبکہ تم بہت تھوڑے تھے اور زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔ پھر خدا نے تمہیں جگہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی اور تمہیں ستھری چیزوں سے روزی عطا کی تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

اس آیت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ قلت آبادی اور تعداد کی کمی سے ہر وقت خطرات کا سامنا رہتا ہے۔ خواہ دشمن کا مقابلہ ہو یا دوسری حالتیں ہوں۔ آبادی کی کثرت ہی بہت سے معاملات میں فیصلہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس قلت آبادی ہمیشہ مقہور و مغلوب اور ایک قسم کی غلامانہ ذہنیت کا شکار ہو کر ہر وقت خطروں کا شکار رہتی ہے۔

خیر یہاں ہم اس زاویہ سے کچھ عرض نہیں کرنا چاہتے۔ یہاں تو مقصد صرف یہ ہے کہ اس نظریہ کے بارہ میں امام ولی اللہ دہلویؒ کے افکار پیش کئے جائیں۔ صرف تمہید کے طور پر یہ چند جملے ہم نے لکھ دئے۔ تاکہ غور و فکر کرنے والے حضرات اچھی طرح اس مسئلہ کے بارہ میں سوچیں۔

حضرت حکیم الامۃ امام ولی اللہ دہلویؒ اپنی مشہور کتاب "حجۃ اللہ البالغۃ" کے ایک باب میں فرماتے ہیں۔ "جان لو کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع (تمدن پسند) بنایا اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ نوع انسان کے بقاء کے ساتھ بذریعہ توالد و تناسل متعلق ہوا تو ضروری ٹھہرا کہ شریعت حصول نسل کیلئے مؤکد طور پر رغبت دلائے اور قطع نسل سے منع کرے اور ان تمام اسباب سے

شدید طور پر منع کر دے جو قطع نسل کی طرف لے جانے والے ہوں۔ حصولِ نسل کا سب سے بڑا سبب جس کی وجہ سے نسلِ انسانی وجود میں آتی ہے۔ اور وہ حصول نفس نسل پر انسانوں کو برانگیختہ کرنے والا ہے۔ وہ سبب "شہوت فرج" ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو انسانوں پر مسلط کر دیا ہے۔ اب یہ شہوانی جذبہ انسانوں کو مغلوب کر دیتا ہے۔ اور اس پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ اس کو نسل کی تلاش میں دبا کر مقہور و مغلوب کر دیتا ہے۔ خواہ انسان اسے چاہیں یا نہ چاہیں۔ اب اگر اس طرح رسم جاری ہو جائے کہ لوگ اغلام کے ذریعے ہی شہوت رانی کرنے لگ جائیں۔ تو یہ رسم اللہ تعالیٰ کے جاری کئے ہوئے قانون میں تبدیلی اور تغیر ہوگا۔ اس لئے کہ وہ چیز جو انسانوں پر مسلط کی گئی تھی۔ تاکہ مقصود حاصل کرنے میں تعاون ہو یہ طریقہ اس سے مانع ہوگا ——— اور اس سلسلہ میں نہایت بری اور قبیح چیز یہ ہوگی کہ لڑکوں سے اغلام کرنا شروع کر دیا جائے۔ کیونکہ اس میں دو طرفہ اللہ کی پیدائش میں تبدیلی لازم آتی ہے۔ اور مردوں کا زنانہ پن اختیار کر لینا بُرے خصائل کے سلسلہ میں نہایت بدترین اور قبیح خصلت ہے۔

اسی طرح دیگر اسباب انقطاع نسل بھی قبیح ہیں۔ چنانچہ امام ولی اللہؒ نہایت ہی صراحت سے فرماتے ہیں:

وَكَذٰلِكَ جَرَيَانُ الرَّسْمِ بِقَطْعِ اَعْضَاءِ النَّسْلِ وَاسْتِعْمَالِ الْاَدْوِيَةِ الْقَامِعَةِ لِلْبَاءَةِ وَالتَّبَتُّلِ وَغَيْرِهَا تَغْيِيْرٌ لِخَلْقِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَنَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ كُلِّ ذٰلِكَ

(باب آداب المباشرۃ)

اور اسی طرح اعضاء تناسل کو قطع کرنے کا طریقہ جاری کرنا۔ اور ان ادویہ کو استعمال کرنا جو قوتِ باہ کو قطع کرتی ہیں۔ اور اسیطرح ترکِ دنیا (رہبانیت اور ترک نکاح) وغیرہ یہ سب اللہ کی پیدائش کو تبدیل کرنا ہے۔ اور نسل کی طلب کو ترک کرنا ہے۔ اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام باتوں سے منع فرمایا ہے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے ان کے ادبار میں جماع نہ کرو۔ جو شخص عورت کی دُبر میں جماع کرے وہ ملعون ہے۔ اور اسی طرح خصی بننے سے اور ترکِ دنیا (رہبانیت) اور بے کار ہونے سے بھی آپ نے منع فرمایا۔ جس کا ذکر بکثرت احادیث میں موجود ہے۔ اس کے بعد اسی باب میں امام ولی اللہؒ عزل والی حدیث کا ذکر کر کے اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

" میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں عزل کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ قطعی طور پر

اُسے حرام نہیں کہا گیا اور اس کا سبب یہ ہے۔ کہ مصالح مختلف ہوتے ہیں۔ (انسانوں کی مصلحتیں مختلف ہوتی ہیں۔)

پس لونڈی کے بارہ میں اس کے مالک کی ذاتی مصلحت اس کا تقاضا کرتی ہے کہ عزل کرے (کیونکہ لونڈی کے حاملہ ہو جانے اور پھر اولاد پیدا ہونے کی صورت میں وہ لونڈی اپنے مالک کی خدمت نہیں کر سکے گی۔ اس لئے عزل مناسب ہوگا۔) اور نوعی مصلحت یہ چاہتی ہے۔ کہ یہ عزل نہ کرے تاکہ کثرت سے اولاد پیدا ہو۔ اور نسل قائم رہے۔

امام ولی اللہؒ اس سلسلہ میں ایک ضابطہ بیان کرتے ہیں۔ جو نہایت ہی قابلِ قدر ہے۔ فرماتے ہیں:

وَالنَّظَرُ اِلَى الْمَصْلَحَةِ النَّوْعِيَّةِ اَرْجَحُ	اور مصلحت نوعی کا لحاظ کرنا اللہ تعالیٰ کے
مِنَ النَّظَرِ اِلَى الْمَصْلَحَةِ الشَّخْصِيَّةِ	عام احکام شرعیہ اور احکام تکوینیہ میں
فِىْ عَامَّةِ اَحْكَامِ التَّشْرِيْعِيَّةِ وَالتَّكْوِيْنِيَّةِ	زیادہ راجح ہے بہ نسبت مصلحت شخصی کے۔

"حجۃ اللہ البالغہ" باب تدبیر المنزل میں حدیث تزوجوا الولود الودود فانی مکاثر بکم الامم۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نکاح کرو ایسی عورتوں سے جو محبت کرنے والی اور کثرت سے اولاد جننے والی ہوں۔) پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تَوَادُّ الزَّوْجَيْنِ بِهٖ تَتِمُّ الْمَصْلَحَةُ	یعنی بیوی خاوند کا آپس میں محبت کرنا یہ وہ
الْمَنْزِلِيَّةُ وَكَثْرَةُ النَّسْلِ بِهِمَا	چیز ہے جس سے مصلحت منزلیہ پوری
تَتِمُّ الْمَصْلَحَةُ الْمَدَنِيَّةُ وَالْمِلِّيَّةُ۔	ہوتی ہے اور کثرت نسل سے مصلحت مدنیہ
	اور مصلحت ملیہ پوری اور کامل ہوتی ہے۔

اسی طرح حجۃ اللہ البالغہ کے ایک دوسرے باب میں امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے۔ تاکہ وہ لوگوں کے سامنے ان چیزوں کو اچھی طرح بیان کر دیں جو سلسلہ عبادات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو بذریعہ وحی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ تاکہ انہیں لوگ سے لیں۔ اور اسی طرح گناہ اور آثام کے قبیلے کی چیزیں بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ تاکہ لوگ ان سے اجتناب کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جن ارتفاقات کو لوگوں کے لئے پسند فرمایا ہے۔ وہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دئے ہیں۔ تاکہ لوگ انہیں اختیار کر لیں۔ اور انہیں اپنا کر ان کی اقتدا کریں۔"

اس سلسلہ میں شریعت کے بہت سے اصول و قوانین ہیں۔ انہیں اصولوں میں سے ایک

اصل (قانون) یہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنا دستور قدرت اسی طرح جاری کیا ہے۔ کہ اسباب (علل) کا سلسلہ اس نے قائم فرما دیا ہے۔ تاکہ وہ مسببات (اور معلول) تک پہنچاتے رہیں۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ کی حکمت بالغہ اور رحمت تامہ سے جو مصلحت مقصود ہے وہ پوری ہوکر رہتی ہے، تو اس کا اقتضاء یہ ٹھہرا کہ اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو تبدیل نہ کیا جائے۔ ان کے اندر تبدیلی خلاف مصلحت، شر اور فساد فی الارض ہے۔ چنانچہ امام ولی اللہؒ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

اِقْتَضٰی ذٰلِکَ اَنْ یَکُوْنَ تَغْیِیْرُ خَلْقِ اللّٰہِ شَرًّا وَسَعْیًا فِی الْاِفْسَادِ وَسَبَبًا لِتَرَشُّحِ اللَّعْنَۃِ عَلَیْہِ مِنَ الْمَلَاءِ الْاَعْلٰی۔

اقتضاء یہ ہوا کہ خلق اللہ میں تغییر شر ہوگا۔ اور زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش ہوگی۔ اور یہ سبب ہوگا۔ کہ ملاء اعلیٰ کی طرف سے ایسے شخص پر لعنت (لعنت) کا ترشح (نزول) ہو۔

اس تمہید کے بعد امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں:۔ جب اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو اسطرح پیدا کیا ہے کہ اس کی پیدائش اس طرح نہیں ہوتی جس طرح دیگر کیڑے مکوڑوں کی پیدائش زمین سے ہوتی ہے — (بلکہ توالد و تناسل کے ذریعہ انسان وجود میں آتے ہیں۔) اور اللہ تعالیٰ کی حکمت چاہتی ہے کہ نوع انسانی (زمین پر) باقی رہے۔ (صرف اس کا بقاء ہی نہیں) بلکہ اس کے افراد زیادہ سے زیادہ خوب پھلیں پھولیں اور عالم میں ان کا انتشار اور کثرت ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قوائے تناسل انسان میں رکھ دیئے، اور ان کو ترغیب دی کہ وہ نسل طلب کریں۔ اور غلبۂ شہوت ان پہ مسلط کر دیا۔ تاکہ اسطرح اللہ تعالےٰ اس بات کو پورا کر دے جس کو اس کی حکمت بالغہ چاہتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راز سے آگاہ فرما دیا۔ اور آپ پر حقیقت حال روشن کر دی۔ تو اس کا تقاضا تھا۔ کہ اس راستہ (بقاء اور انتشار نسل انسانی) کو قطع کرنے سے منع کیا جائے۔ اور اسی طرح ان قوتوں کو مہمل چھوڑ دینے سے بھی روک دیا جائے جو اس امر مطلوب (انتشار نسل) کا تقاضا کرتی ہیں۔ اسی طرح ان قوتوں کو بے محل صرف کرنے سے بھی منع کیا جائے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصی ہونے سے شدت کے ساتھ منع کر دیا۔ اور لواطت کو ملعون فعل قرار دیا۔ اور عزل کو بھی ناپسند فرمایا۔

خوب اچھی طرح جان لو کہ نوع انسان کے افراد کا مزاج جب صحیح سلامت ہو۔ اور ان کا مادہ (جسمانی ساخت) نوعی احکام ان کے افراد پہ جاری کرنے سے مانع نہ ہو۔ اور یہ اسطرح کہ افراد انسانی کو جو ہیئت وصورت یا خصوصیت عطا کی گئی ہے۔ جیسے مستقیم القامتہ ہونا اور ظاہری

جلد کا نمایاں ہونا (اور اسی طرح ناطق ہونا) اس پہ انسان پورے اترے ہیں۔ نوع انسانی کی اس حیثیت و خصوصیت) کو سب جانتے ہیں۔ اور جب انسان اس کے مطابق پورے اتریں تو نوعی احکام جاری ہوں گے۔ اور یہی انسان کے افراد کا نوعی حکم اور اس کا مقتضا اور اثر ہے اس کے افراد میں۔

اور ادھر مقام عالی (حظیرۃ القدس) میں اس بات کی طلب اور تقاضا پایا جاتا ہے کہ انواع باقی رہیں اور ان انواع کے اشباح (اشکال و افراد) زمین پر پائے جائیں۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور پھر (کچھ عرصہ کے بعد جب لوگ پوری طرح کتوں سے متنفر ہو گئے۔ کتوں کے ساتھ غیر فطری لگاؤ اور محبت جو جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کے اندر پائی جاتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہی ختم کرنا چاہتے تھے) آپ نے ان کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ اور یہ فرمایا کہ "یہ کتے بھی امتوں میں سے ایک امت ہیں" یعنی اللہ کی مخلوق میں سے ایک نوع ہیں اور ان کی نوع کا تقاضا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ باقی رہیں۔ اب ان کے اشباح اور افراد کا زمین سے مٹا دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ اور یہی نوعی اقتضا اس طرف لے جاتا ہے کہ افراد میں نوعی احکام پائے جائیں، پس ــــ

فمنافسۃ ھذا الاقتضاء والسعی — اب اس نوعی اقتضاء کا مقابلہ کرنا اور

فی ردہ قبیح مناقض للمصلحۃ الکلیۃ — اس کو رد کرنے کی کوشش کرنا نہایت ہی قبیح ہے اور مصلحت کلیہ کے بالکل خلاف ہے۔

اور اسی قاعدہ (قانون) سے یہ حکم بھی نکالا جاتا ہے۔ کہ انسان کے جسم میں ایسا تغیر کرنا جو نوعی حکم کے خلاف ہو جیسے خصی کرنا یا مصنوعی خوبصورتی حاصل کرنے کیلئے دانتوں کو تراش کر ان میں فاصلہ بنانا۔ یا چہرے کے بالوں کو اکھاڑنا۔ ناجائز اور قبیح ہے۔ (ایسا کرنے والوں کے متعلق حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔) البتہ سرمہ لگانا۔ یا بالوں میں کنگھی پھیرنا یہ نوعی احکام جو مقصود ہیں ان کے ظہور کے لئے اعانت ہے۔ اور نوعی احکام کی موافقت ہے نہ کہ مخالفت ــــ

حجۃ اللہ البالغہ کے باب اللباس والزینۃ میں امام ولی اللہؒ نے حدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المتشبہین من الرجال بالنساء والمتشبہات من النساء بالرجال۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ اور اسی طرح ایسی عورتوں پر بھی لعنت کی ہے جو مردوں سے مشابہت پیدا کرتی ہیں۔) پر بحث کرتے ہوئے یہی

ثابت کیا ہے کہ مرد اور عورت ہر ایک کا اپنے اپنے فطری اور طبعی اقتضاء کے تحت رہنا ہی حکمت الٰہی میں مطلوب ہے اس سے باہر نکلنا برے نتائج پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ حکیمانہ طریق پر فرماتے ہیں:

الاصل فی ذالک ان اللہ تعالیٰ خلق کل نوع وصنف مقتضیاً لظهور احکام فی البدن۔ کالرجال للّحی وکالنساء لیصغین الی نوع من الطرب والخفة۔ فاقتضاءها للاحکام لمعنی فی المبدء هو بعینه کراهیة اضدادها۔	اصل بات اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور ہر صنف کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کے احکام بدن میں ظاہر ہوں جیسا کہ مردوں میں ڈاڑھی کا ظاہر ہونا۔ اور عورتوں کا ایک قسم کی خفت اور خوشی کی طرف میلان کرنا۔ اب ان انواع و اصناف کا احکام کو چاہنا اور تقاضا

کرنا اس معنی کے لئے جو ان کے مبدا میں پایا جاتا ہے۔ بعینہ یہی تقاضا ان احکام کی اضداد کی کراہت کو چاہتا ہے۔

ولذلک کان المرضی ببقاء کل نوع وصنف علی ما تقتضیه فطرته وکان تغییر خلق اللہ سبباً للعن۔	اور اسی لئے (حکمت الٰہی میں) پسندیدہ بات یہ ہے کہ ہر ایک نوع اور صنف اسی حالت میں باقی رہے جس کو اس کی

فطرت چاہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو تبدیل کرنا لعنت کا سبب بن جائے گا۔

ولذلک کره النبی صلی اللہ علیه وسلم انزاء الحمیر لتحصیل البغال۔	اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑی کے ساتھ گدھے کی جفتی کرانے کو ناپسند فرمایا ہے۔
فمن الزینة ما یکون کالتقویة لفعل الطبیعة والتوطئة لسه والتمشیة ایاه کالکحل والترجل وهو محبوب۔	اب زینت کے سلسلہ میں بعض قسم کی زینتیں تو وہ ہیں جو طبیعت اور فطرت کی تقویت کا سبب بنتی ہیں اور طبیعت اور فطرت کو نکھارنے کے لئے راہ ہموار کرتی ہیں۔

اور اس کو اس پر چلاتی ہیں۔ جیسے سرمہ لگانا، کنگھی کرنا، یہ چیزیں محبوب اور پسندیدہ ہیں۔

ومنها ما یکون کالمنافی لفعلها کاختیار الانسان هیئة الدواب د	اور بعض زینتیں وہ ہیں جو طبیعت اور فطرت کے فعل کے بالکل خلاف ہیں اور

(باقی صفحہ ۳۳ پر)

تبرکات و نوادر

غیر مطبوعہ مکتوب

از حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ

بنام مولانا قاری اصغر علی مرحوم

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج شریف۔ کل ایک عریضہ روانہ کر چکا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ مولانا محمد الیاس صاحب[1] کے تبلیغی وفد کی موجودگی میں میں نہ پہنچ سکا۔ مگر کیا کروں جنگ میں مشغول ہوں، خوف ہے۔ اگر غائب ہو جاؤں تو کوئی خرابی پیدا نہ ہو جائے۔ وسائط کے ذرائع کام میں لا رہا ہوں۔ کچھ عجب نہیں کہ قریبی زمانہ میں معاملات سلجھ جائیں۔ مولانا عبید اللہ[2] صاحب غالباً آنے والے ہوں گے۔ ان سے بعد سلام مسنون عرض کر دیجئے کہ میری واپسی تک دیوبند ہی میں قیام فرمائیں۔ ان کا استقبال اچھی طرح ہونا چاہئے۔ چونکہ ہماری لڑائی کا معاملہ بالکل کنارے لگا ہوا ہے اور ریشہ دوانیاں اور کھنڈتین اعداء کی طرف سے بہت زیادہ جاری ہیں۔ اس لئے ذرا بھی تغافل درست نہیں ہے۔ میں آج طوفان میل میں معہ مولانا سجاد[3] صاحب میرٹھ جا رہا ہوں۔ مولانا عبد الشکور[4] صاحب سے ملنا ضروری ہے اور انشاء اللہ رات ہی رات میں واپس ہو کر میل سے لکھنؤ کل بروز دوشنبہ واپس ہو جاؤں گا۔ اور کامیاب ہوتے ہی جلد از جلد انشاء اللہ دیوبند واپس ہوں گا۔ مولانا مبارک علی[5] صاحب کے صاحبزادے عزیزم محمود یہاں موجود ہیں۔ مدرسہ قدیم فرنگی محل میں میں نے تقریر کی تھی۔ (جمعرات کے دن شام کو) تو ان کو میں نے دیکھا تھا۔ اور اوقات میں مجھ سے ملنا نہیں ہوا۔ ورنہ خط بھیجنے کی تاکید کرتا۔ مولانا مبارک علی صاحب سے نیز مولانا اعزاز علی[6] صاحب سے سلام مسنون کہہ دیجئے، ترمذی کا امتحان دے لیں۔ کھانسی بہت کم ہے۔ آواز تقریباً کھل گئی ہے۔ سب سے سلام کہہ دو۔ عزیزم فضل الرحمٰن بخیریت ہے۔ مولوی حمید جمعرات کی شب میں ٹانڈہ گئے تھے۔ آج اتوار کی صبح ۹ بجے تک واپس نہیں آئے تھے ــــــــ سہسپور کا جھگڑا ابھی گرفتار نہیں ہوا۔ دوشنبہ کو انشاء اللہ ہو جائے گا۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۲۶ مارچ بروز اتوار

---

[1] حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی مرحوم بانی تبلیغی جماعت۔ [2] مشہور انقلابی رہنما مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم۔

[3] حضرت مولانا سجادؒ صاحب مرحوم امیر شریعت بہار۔ [4] مولانا عبد الشکور لکھنویؒ مشہور سنّی مناظر و مصنف۔

[5] نائب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ [6] حضرت مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم شیخ الادب دار العلوم دیوبند۔ "ادارہ"

درس قرآن مجید

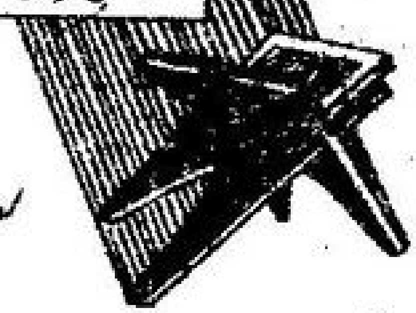

سورۃ نساء کی پہلی آیت کی تفسیر

از افادات حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہ ۔ کیمل پور
خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ

انجمن خدام الدین نوشہرہ صدر عرصہ سے تبلیغی خدمات میں مصروف ہے۔ اس کے جواں سال اور باہمت ناظم مولانا احمد عبدالرحمن الصدیقی فاضل حقانیہ ہر رات بعد از نماز عشاء مسجد تکیہ صدر بازار نوشہرہ میں درس قرآن بھی دے رہے ہیں۔ سورۃ نساء کے افتتاح کے لئے حضرت قاضی صاحب موصوف کو انہوں نے دعوت دی۔ گو کثرت مشاغل کی وجہ سے خود تو تشریف نہ لا سکے مگر سورۃ کی پہلی آیت پر مندرجہ ذیل تشریحی تحریر ارسال فرمائی جسے مولانا موصوف نے ۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء (مطابق ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۸۵ھ) بروز جمعۃ المبارک حلقۂ درس میں پڑھ کر سنایا۔ (ادارہ)

آج آپ کے درس قرآن مجید بالتفسیر وترجمہ کی سورۃ نساء شروع ہے۔ جس کی ابتدائی آیت یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیراً ونساء۔ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ان اللہ کان علیکم رقیبا

یہ سورۃ مدنیہ ہے۔ یعنی ہجرت سے بعد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ اس سورۃ میں لفظ النساء کئی دفعہ آیا ہے۔ جو کہ عورتوں کے ان حقوق کو بیان کرنے کے سلسلے میں ہے۔ جو اسلام سے پہلے ان کو حاصل نہ تھے اور نہ ہی اسلام کے سوا کسی اور دین اور آئین نے ان کو دئے۔ جیساکہ عورت کا حق وراثت، عورت کا حق مہر، جن سے نکاح حرام ہے ابدی یا وقتی طور پر۔ تعدد ازواج کی حکمت اور اس کے شروط وغیرہا یہ سب وہ احکام ہیں جن کا تعلق عورتوں کے ساتھ ہے۔ اسی مناسبت سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورہ کا نام ہی النساء رکھ دیا۔ قرآن کریم کی کسی سورۃ کا نام الرجال نہیں۔ حضرت مریمؑ کے نام پر سورہ مریم موجود ہے۔

احکام طلاق کے لئے مستقل سورۃ کا نام الطلاق موجود ہے۔

سورۃ النساء کا تعلق سورہ آل عمران کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ سورہ آل عمران میں ایک پاکیزہ عورت حضرت مریمؑ کے تقویٰ اور طہارت کا ذکر فرمایا اور سورہ النساء میں دیگر عام خواتین کے حقوق بیان فرمائے۔ اسی طرح سورہ آل عمران کے خاتمہ پر فرمایا: یاایھاالذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ یعنی صبر کرتے رہو دوسروں کو صبر کی تلقین کرو۔ اور کام میں لگے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ صبر کا معنیٰ برداشت کرنا ہے۔ اور دوسروں کو برداشت کی تلقین کرنا۔ صبر کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے۔ جبکہ کوئی کام مزاج اور طبیعت کے خلاف ہو جائے۔ مگر شریعت کے مطابق ہو۔ عبادت دراصل یہی ہے۔ کہ ایک کام دل پر شاق گزرے۔ بہ تقاضائے بشریت وہ گراں ہو مگر خداوند قدوس کے حکم پر عمل کیا جائے اسی کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: حفت الجنۃ بالمکارہ۔ اور یہی تقویٰ ہے۔ سورہ النساء کی ابتداء بھی اتقوا کے حکم سے فرمائی۔ کہ جب تم یتامیٰ کو ان کے اموال دو گے۔ عورتوں کا حق مہر ادا کرو گے۔ وارثوں کو ان کا حق وراثت دو گے، سود کھانے کی بجائے صدقہ دو گے تو یقیناً انسان ہونے کی حیثیت سے تم پر گراں گزرے گا۔ جیسا کہ آجکل ہمارا حال ہے۔ نمازی مل جاتے ہیں، روزہ دار ملیں گے، حاجی موجود ہیں۔ مگر کسی محلے میں شہر میں اعلان کر کے دیکھ لیجئے کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عورتوں کا حق مہر ادا کیا ہے۔ یا کتنے ہیں جنہوں نے باپ کے ترکہ سے اپنی بہن کو حصہ دیا ہے۔ حالانکہ وراثت کا مسئلہ تو مفصل قرآن مجید نے فرمایا ہے۔ نماز کی رکعتوں کا ذکر نہیں زکوٰۃ کا نصاب نہیں بتایا۔ لیکن ماں باپ، بیوی بیٹا بیٹی وغیرہا کے حصوں کو مقرر فرماتے ہوئے صاف فرمایا نصیباً مفروضا۔ پیسہ دیتے ہوئے دل کو غوطے پڑتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں جہاد بالنفس سے جہاد بالمال کو مقدم فرمایا ہے۔ آج کل دیکھ لیجئے ایک طرف تو وہ خوش بخت ہیں جو اسلام کے دفاع کے لئے سرحدات پر اپنے قیمتی خون بہا رہے ہیں۔

یاد رہے سب سے بڑا ولی اور بڑا پاکیزہ انسان وہ ہے جو آجکل دشمنوں کے حملوں کا دفاع کرے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ "جہاد کے لئے ایک گھڑی بھی خرچ کرنا لیلۃ القدر کی ساری رات کی اس عبادت سے بہتر ہے جو حجر اسود کے پاس ہو۔"

مگر ایک وہ بھی ہیں جو مجاہد فنڈ میں چندہ دینے سے گریز کر رہے ہیں۔ حالانکہ اگر آج ہماری یہ فوج نہ ہوتی مجاہد نہ ہوتے تو بتائیے یہ سرمایہ دار محفوظ رہ سکتے ان کے اموال اور عزت محفوظ رہ

سکتی ۔ بوقت ضرورت صدر مملکت اسلامیہ کو اوقاف کی رقم بھی بطور قرض لے کر دفاع پر خرچ کرنے کی اجازت ہے ۔ حالانکہ الوقف لا یملک ۔ بہر حال غرض یہ ہے کہ مالی طور پر دوسروں کے حقوق ادا کرنے بڑے دل گردے کا کام ہے ۔ اس لئے صبر کا حکم دے کر زوجین اور یتامی کے مالی حقوق اور دوسرے مالی حقوق کو بیان فرما دے ۔

چونکہ جہاد میں بھی ان ہی کا کام ہے جو صابر اور ثابت قدم رہ سکیں جیسا کہ فرمایا : ربنا افرغ علینا صبراً وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین ۔ اگر صبر میں کمال حاصل نہ ہو ۔ تو ثابت قدمی مفقود اور ثابت قدمی نہ ہو تو نصرت اور فتح کہاں سے آ سکتی ہے ۔ امام حسن اور زید بن اسلم مفسر نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کے لئے چھاونیاں تعمیر کی جائیں ۔

اب اس تلاوت کردہ آیت کا سادہ سادہ ضروری تفسیر کے ساتھ ترجمہ کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے اور قبول فرما دے ۔ ارشاد فرمایا : " اے لوگو ! یعنی خواہ تم مرد ہو یا عورت ، امیر ہو یا غریب ۔ اپنے رب سے ڈرو کہ وہ ناراض نہ ہو جائے ۔ رب کا معنیٰ پالنے والا ۔ یعنی مال اور دولت جائداد اور ترکہ تمہارا پالنے والا نہیں کہ دوسروں کے حق غصب کرتے پھرو ۔ بلکہ تمہارا رب تو اللہ تعالیٰ ہے ۔ اور اسی نے تم کو پیدا بھی فرمایا ۔ پیدائش تو مشکل مسئلہ ہے ۔ سب سے بڑی نعمت تو وجود ہے ۔ باقی سب نعمتیں اس کی فرع اور تابع ہیں ۔ اگر ہم پیدا ہی نہ ہوتے تو دنیا کی لذتیں اور نعمتیں ہماری کس کام ۔ اسی ارشاد میں ادھر بھی اشارہ فرما دیا ۔ کہ جب خالق وہ ہے ۔ تو رب بھی وہی ہے ۔ جیسا کہ قرآن کریم کے ابتدائی نزول میں فرمایا : اقرء باسم ربك الذی خلق ۔ (پڑھ اپنے رب کے نام سے جو سب کا بنانے والا ہے ۔) رب اور خالق یکجا بیان فرما دے کہ جب خالق نے حیات بخشی تو رزق بھی دے گا ۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

آں خداوندے کہ فرد اجاں دہد　　غم مخور آخر کہ آب و ناں دہد

جب رب پر ایمان قوی ہوگا ۔ تو دوسروں کی حق تلفی نہ کرو گے ۔ من نفس واحدۃ ۔ ایک جی سے مراد آدم علیہ السلام ہیں ۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اسی نفس واحدہ سے اس کی بیوی کو پیدا فرمایا ۔ لیسکن الیھا ۔ (چین حاصل کرے اس کے پاس) اور پھر ان دونوں سے یہ سارے مرد اور عورتیں پیدا کیں ۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا : یا ایھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ ۔ (اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے بنایا ۔) اس سے ادھر بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ

تم سب انسان تخلیق میں برابر ہو۔ اگر حضرت آدم نہ ہوتے تب بھی انسانوں کی تخلیق نہ ہوتی اور اگر حضرت حوا نہ ہوتیں تب بھی عالم اسباب میں معاملہ مشکل تھا۔ رب کریم نے ان دونوں کو اصل تخلیق کائناتِ انسانی مقرر فرمایا۔ اس لئے حقوق دونوں کے ہیں۔ جیساکہ فرمایا: ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف۔ (اور عورتوں کا بھی حق ہے جیساکہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ دستور کے موافق) مرد کو اگرچہ عورت پر کچھ فوقیت حاصل ہے۔ مگر اس سے حقوق نسوانی پر اثر نہیں پڑتا۔ اور اس اللہ سے ڈرو جس کا نام لے کر دوسروں سے اپنے حقوق مانگتے ہو۔ یعنی جب اپنے حق کے لئے اللہ کا نام لاتے ہو دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے تو خداوند قدوس کی عظمت اور بڑھائی کا اعلان کرتے ہو مگر خود اس ذات حی وقیوم سے کیوں نہیں ڈرتے ــــ

اسی طرح اپنا حق مانگنے کے لئے اپنا رشتہ اور نسب ثابت کرتے ہوئے مثلاً زید یہ کہتا ہے۔ کہ مجھے عمر کی جائداد سے حق ملے کہ میں اس کا بیٹا ہوں۔ اگر یہی بات جب زید کی بہن خالدہ کہہ دے کہ مجھے بھی میرے باپ عمر کی جائداد سے حصہ ملے تو پھر تم کیوں انکار کرتے ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالے تم سب پر نگہبان ہے۔ تم اس کی گرفت سے کہاں بچ گے ؟ تم اپنے اعمال اور کردار اس سے کہاں چھپاؤ گے۔ رقیب اللہ تعالے کا وصفی نام ہے ــــ تفسیر روح البیان میں ہے۔ کہ اگر حاملہ عورت دوران حمل میں ہر فرض نماز کے بعد گیارہ دفعہ "یا رقیب" پڑھ کر اپنے پیٹ پر دم کر دے اور یہ عمل جاری رکھے تو انشاء اللہ حمل صحیح و سالم پیدا ہوگا ــــ

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

(بقیہ انکار سنت)

فرمایا۔ اور جس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ "چند تصورات اور رسومات کی لاشیں" کہتے ہو لیکن یاد رکھو رسولؐ کے راستے کو چھوڑنے کا انجام کیا ہے۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا

(الفرقان: ۲۷) اس روز ظالم اپنا ہاتھ چبائے گا اور کہے گا۔ کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔"

اے قرآن کو نشانہ تحریف و تضحیک بنانے والو! رسول اللہ اس روز تمہارے اس عمل کے خلاف خدا تعالیٰ کے ہاں گواہ ہوں گے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا۔ (الفرقان: ۳۰)

(اور رسولؐ نے بارگاہِ الٰہی میں شکایت کی کہ میری قوم نے اس قرآن مجید کو متروک و مہجور ٹھہرایا۔

یاد رکھو۔ اسلام اور قرآن کی وہی تعبیر صحیح مانی جائے گی جو سنت رسول اللہ کی روشنی میں متعین کی جائے گی ــــ

مسائل علمیہ

تصرّفاتِ رُوحانیہ
کے بارہ میں
اکابرینِ دیوبند کا نظریہ

از قلم حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مہتمم نجم المدارس ۔ کلاچی

ایک پرانا خط جو جناب مکتوب الیہ نے اپنے جواب کے ساتھ واپس بھیجا تھا ارسالِ خدمت ہے جس میں تصرّفاتِ روحانیہ سے متعلق اپنی معلومات کی حد تک اکابرینِ دیوبند کے نظریہ کی وضاحت کی گئی تھی اگر اس کی اشاعت میں مسئلہ کی حیثیت سے افادہ کا کوئی پہلو نظر آئے تو حاضرِ خدمت ہے ـــــ ع برگِ سبز است تحفۂ درویش

سندھ میں خانوادہ عالیہ مجددیہؒ کے ایک رکن رکین حضرت مولانا عبدالستار خاں آغا مدظلہم کو نجم المدارس اور اس کے خدام سے رشتہ نقشبندیت کے باعث غائبانہ شفقت اور قلبی محبت ہے آپ کو ہماری دیوبندی نسبت کا علم ہوا تو مسئلہ ذیل کے متعلق دریافت فرمایا۔ جواب معلوم کر کے آپ نے اپنے مکتوب میں اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اور اسے عین مسلک اہل سنت والجماعت قرار دیا۔ جو کہ آپ کے مکتوب سے ظاہر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاں فضا تعصب سے پاک ہو وہاں اکابرِ دیوبند کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی ـــــ سوانح قاسمی میں بھی اس سلسلہ کا ایک واقعہ اور ایک نوٹ نظر سے گذرا۔ اسے بھی اس خط کا ضمیمہ بنا کر بھیج رہا ہوں۔ مسئلہ بالا سے متعلق دیوبندی مسلک کی وضاحت میں یہ نوٹ کافی مفید ثابت ہو گا۔ حضرت مولانا عبدالستار صاحب مجددی کے مکتوب کی نقل بھی ارسال ہے۔ (ناکارہ عبدالکریم عفی عنہ)

مخدومی دامت برکاتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘ ۔ محترم صوفی محمد بخش صاحب سفیر مدرسہ نجم المدارس کلاچی کے ذریعہ ایک مختصر رقیمہ ملا جس میں عبارت ذیل درج تھی :۔

" آیا اولیاء اللہ تعالیٰ حین حیات خود در عالم خلق تصرف کردہ میتوانند یا نہ اگر بلی بکدام دلیل۔

آیا بعد حیات ہم تصرف کردہ میتوانند یا نہ اگر بلی بکدام دلیل۔

صوفی صاحب موصوف نے تبلایا کہ یہ عبارت آنجناب نے تحریر فرمائی ہے۔ اور یہ کہ اس کا جواب طلب فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مقصد مسئلہ کا حل نہیں اور نہ حقیقی استفسار و استفتاء بلکہ مسئول عنہٗ کا خیال اور عقیدہ معلوم کرنا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ مسئول عنہٗ کا اکابرین اور علماء دیوبند سے نسبت اور تلمذ میں اس کا منشا بنا ہے۔ بنا بریں علیہ مزید علمی تحقیق اور تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی بلکہ آپ حضرات کی علمی شان کے پیش نظر اس طرح کا اقدام تو ایک حد تک سوءِ ادب کی حدود میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔ ع وفی طلعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل

البتہ خانوادہ عالیہ مجددیہ قدس اللہ اسرارھم کے توجہات قلبیہ اور تصرفات روحانیہ کو اپنی ذات اور مدرسہ نجم المدارس کے ساتھ حسب سابق وابستہ رکھنے کے لئے بطور اظہار حقیقت اور تعمیل حکم کے اکابرین دیوبند ہی کے چند ارشادات جو اس سوال سے متعلق ہیں اور جو بلا کد و تعب سرسری طور پر سامنے آگئے جواب میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس سے ایک طرف احقر مجیب کے متعلق یہ شبہ باقی نہیں رہے گا۔ کہ کسی مصلحت سے معاذ اللہ خلاف ضمیر کا اظہار کر دیا۔ دوسری جانب خود اکابرین دیوبند کے سلسلہ میں یہ بات سامنے آجائے گی کہ اس کے خلاف ان بزرگوں پر الزام میں کتنی صداقت ہے :۔

۱۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو اکابرین دیوبند میں جو مقام حاصل ہے وہ ظاہر ہے۔ موصوف اپنی کتاب التکشف کے صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں : (وایضاً بوادر النوادر ج ۱ ص۳۰)

"اور جاننا چاہیئے کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات و خوارق سرزد ہوتے ہیں۔ اور یہ امر معنیً حد تواتر تک پہنچ چکا ہے۔"

مولانا کے اس ارشاد سے واضح ہے۔ کہ ہمارے اساتذہ کے ہاں حین حیات اور بعد حیات دونوں حالات میں اولیاء اللہ سے تصرّف ممکن ہے۔ جیسا کہ لفظ بعد انتقال کے بھی اس پر دال ہے اور دلیل میں واقعات کا تواتر معنوی کے حد تک پہنچنے کو پیش فرمایا ہے۔

۲۔ نیز مولانا موصوفؒ نے ہی تتمہ فتاوی امدادیہ جلد ۴ کے صفحہ ۲۳۵ میں تحریر فرمایا ہے :

اسباب فیض کے متعدد ہیں۔ منجملہ ان کے تصرف شیخ بھی ہے۔ (الی قولہ) بعد وفات تصرفات کا ثبوت منصوص تو نہیں گو اشارۃً مستنبط ہو سکتا ہے۔ لیکن کسی نص سے منفی بھی نہیں اور مشاہدہ اہل کشف کا و ذوق خود اثبات کیلئے کافی ہے۔ لہذا قائل ہونا اس کا جائز ہے۔ البتہ دوام و لزوم نہیں۔

۳۔ اسی طرح التکشف کے صفحہ ۹۳ پر فرماتے ہیں :

"جاننا چاہیئے اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ (الی قولہ) دوسرے وہ جن کے متعلق خدمت اصلاح معاش وانتظام امور دنیویہ و دفع بلیات ہے کہ اپنی ہمت باطنی سے باذن الٰہی ان امور کی درستی کرتے ہیں۔ اور یہ حضرات اہل تکوین کہلاتے ہیں۔ اور ان میں سے جو اعلیٰ اور اقویٰ اور دوسروں پر حاکم ہوتا ہے۔ اس کو قطب التکوین کہتے ہیں۔ اور ان کی حالت مثل حضرات ملائکہ علیہم السلام کی ہوتی ہے۔ جن کو مدبرات امر فرمایا گیا ہے۔ حضرت خضر علے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اسی شان کے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے مقام و منصب کیلئے ایسے تصرفات عجیبہ کا ہونا لازم ہے ــ بخلاف اہل ارشاد کے کہ ان کا خود صاحب خوارق ہونا بھی ضروری نہیں۔ البتہ ان حضرات کے کرامات اور طور کے ہوتے ہیں۔ کہ اس کا ادراک عوام کو نہیں ہوتا۔

۴۔ علاوہ ازیں آپ کی ایک مستقل تصنیف حقیقۃ الطریقہ من السنۃ الانیقہ میں کئی عنوانات تصرف (احیاء و اموات)۔ فیض از اصحاب قبور۔ ظہور روح در مکانے بعد موت وغیرہ کے دئیے گئے ہیں۔ اور احادیث سے ان کا اثبات فرمایا ہے۔

۵۔ رسالہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دارالعلوم دیوبند کے موجودہ مہتمم صاحب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ جو کہ رسالہ دارالعلوم بابت اگست ۱۹۵۸ء کے صفحہ ۱۳ پر بھی ایک مضمون کے ضمن میں درج کیا گیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

"پس اگر وہی جسد اطہر جو دنیا میں ہمہ رنگ روح تھا بعد وفات اگر عالم برزخ میں پہنچ کر بحق دنیا اسی طرح زندہ رہے جیسے معراج کے وقت سارے علوی عالموں میں پہنچ کر اپنی جسدانی ہستی کو بحق دنیا سنبھالے ہوئے رہا اور دنیوی حقوق اس کے بدستور قائم رہے تو اس میں تعجب یوں نہیں کہ یہ معاملہ تو اس جسد پاک کو بوقت معراج پہلے بھی پیش آچکا تھا۔ فرق اتنا ہوا کہ شب معراج میں جسم اطہر کے ساتھ روح پر فتوح کا تعلق حسی طور پر قائم تھا۔ کہ اگر ہم ہوتے تو ہم بھی دیکھ سکتے تھے۔ اور بعد وفات اسی طرح حسی طور پر قائم نہیں رہتا کہ ہمیں بھی نظر آئے۔ سو یہ قصور ہمارا ہوا نہ کہ تعلق روح وجسد کی نوعیت کا یہی وجہ ہے کہ بعد وفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹوں میں حرکت ہوتی جنازہ میں کلام فرمایا بیہ اولیس وصا بیہ اولیس سودنہ تعلمون۔ اور قبر میں کلام فرمایا جس کو بعض صحابہ کرامؓ نے سنا۔ پس انبیاءؑ کی یہ برزخی حیات جسمانی از قبیل حیات دنیوی ہی ہے کہ اجسام میں حس و حرکت بھی ہے۔ قبروں میں عبادت

بھی ہے۔ کلام بھی ہے۔ امت کی طرف توجہ بھی ہے۔ تصرف بھی ہے۔ بقاء اجسام بھی ہے۔ اور حیات اجسام بھی ہے۔

تصرفات اہل اللہ کے متعلق یہ ایک مختصر نمونہ ہے ان بزرگوں کے ارشادات کا جنہیں بعض اہل اہواء نے کچھ اغراض کے ماتحت انکار اہل اللہ کا طعنہ دیا ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے۔ کہ عوام میں علمی اور عملی افراط کو دیکھ کر ایک مفتی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان اکابرین نے حفظ ماتقدم اور سد باب کے طور پر اس مسئلہ کی حدود متعین کرنے میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے۔ اور ارخاء عنان نہیں فرمایا جسے یقیناً ہر حقیقت پسند بنظر استحسان ہی دیکھے گا۔ کیونکہ انتحال مبطلین اور غلو غالین سے دین کی حفاظت بہر حال طائفہ حقہ منصورہ کا فرض اولین ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بیس پچیس سال کے عرصہ سے بہ غور دیکھنے کے باوجود انہیں بزرگوں کو ہی اولی الناس بالتعلیمات المجددیہ و اقربہم بالاحسان النقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم پایا ہے۔

اسی طرح سوانح قاسمی جلد ۱ صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۳ ایک قصہ پھیلا ہوا ہے جس کی خود تمہید بھی مولانا گیلانی مرحوم کے الفاظ میں مسئلہ بالا کی تائید ہے۔ مولانا گیلانی مرحوم فرماتے ہیں :

"اس سلسلہ میں بے ساختہ اس قصے کا خیال آرہا ہے۔ جسے مولانا شبیر احمد صاحب مرحوم سے تو خاکسار نے سنا ہی تھا۔ مگر بحافظہ اگر غلطی نہیں کر رہا ہے تو کچھ ایسا یاد پڑتا ہے براہ راست خود حضرت شیخ الہندؒ نے اس کو بیان فرمایا تھا۔ اور فقیر سن رہا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ دینی علوم کے طلبہ کے ساتھ سیدنا الامام الکبیرؒ (مولانا محمد قاسم نانوتوی) کی امدادی کرامتوں کی یوں تو مجسم شہادت خود دارالعلوم دیوبند اور اس کا عریض و طویل نظام ہے ہی لیکن ان کرامتوں کا تعلق تو زندگی کے ناسوتی دور سے ہے جن کا سلسلہ بحمد اللہ اس وقت تک جاری ہے۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب تک، قاسمی فیوض و برکات کا یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن ناسوتی زندگی کے ختم ہونے کے بعد بھی دینی علوم کے طلبہ کے ساتھ آپ کے شغف کا یہی حال ہے۔"

اس تمہید کے بعد جس کے مخطط الفاظ ناسوتی زندگی کے ختم ہونے کے بعد بھی ہمارے مدعا کی خاص تائید کر رہے ہیں۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز سے نتائج کا استنباط فرماتے ہوئے اس قصہ کو پھیلا کر بیان فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے ——— کہ دارالعلوم میں دورہ حدیث شریف

پڑھ کر فارغ ہونے والا ایک طالب علم کسی جگہ پیش امام تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک واعظ صاحب آ نکلے لوگ ان کے وعظ سے متاثر ہوئے واعظ صاحب یہ معلوم کرکے کہ پیش امام صاحب دیوبند کے فارغ ہیں برافروختہ ہوئے اور لوگوں سے کہا :

" اس عرصے میں جتنی نمازیں تم نے پڑھی ہیں اس دیوبندی امام کے پیچھے وہ ادا ہی نہیں ہوئیں اور جیسا کہ دستور ہے دیوبندی یہ ہیں وہ ہیں یہ کہتے ہیں وہ کہتے ہیں۔ اسلام کے دشمن ہیں وغیرہ وغیرہ ــــ "

قصبہ والوں نے پیش امام صاحب (جو دیوبند سے دورہ پڑھ کر آئے تھے اور ہاں اپنی کم استعدادی کے باعث امتحان سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کیا ہوا تھا جس کا قصہ بطولہا سوانح قاسمی میں موجود ہے) کو کہا کہ یا تو مناظرہ کرکے الزامات کا جواب دو اور یا یہاں سے الگ ہوجاؤ۔ وہ بیچارہ پریشان تو بڑا ہوا مگر مناظرہ کے لئے آمادہ ہوگیا۔ اس کا بیان ہے کہ عین موقعہ پر جبکہ واعظ صاحب دندناتے ہوئے تشریف لائے اور میں نہایت ڈرتا ہوا اس کے سامنے بیٹھا تو پھر جو کچھ ہوا مولف سوانح نے اس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں :

" واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا۔ ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی۔ کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آکر بیٹھ گیا ہے۔ اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے۔ کہ ہاں گفتگو کرو اور ہرگز نہ ڈرو۔ دل میں غیرمعمولی قوت اس سے پیدا ہوئی اس کے بعد کیا ہوا دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں ــــ پھر واعظ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے رو رہے ہیں۔ پگڑی بکھری ہوئی ہے اور کہتے جاتے ہیں، میں نہیں جانتا تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں۔ للہ معاف کیجئے آپ جو کچھ فرما رہے ہیں یہی صحیح ہے ــــ "

پیش امام صاحب بعد میں دیوبند آئے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں واقعہ جو پیش آیا تھا عرض کیا اور جب اس اجنبی اور اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کی شکل بیان کی تو سوانح قاسمی کا بیان ہے کہ :

" حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے۔ میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ ان کا

حلیہ کیا تھا۔ حلیہ جو بیان کیا فرماتے تھے۔ کہ سنتا جاتا تھا اور حضرت الاستاد (مولانا قاسمؒ)
کا ایک ایک خال وخط نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا۔"

دیوبندی حضرات موت کے بعد اہل اللہ کے تصرفات روحانیہ کے قائل ہیں یا منکر اس کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کے الفاظ ذیل پڑھیئے جنہیں سوانح قاسمی کے مؤلف نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں جلد ۱ کے صفحہ ۳۳۲ میں ہے :

"جب وہ بیان ختم کر چکے تو میں نے (شیخ الہندؒ) ان سے کہا یہ تو حضرت الاستاد (مولانا قاسمؒ) رحمۃ اللہ علیہ تھے جو تمہاری امداد کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے"

اب آپ اس مسئلہ میں دیوبندی مسلک کی وضاحت کے لئے وہ نوٹ پڑھئے جو سوانح قاسمی کے صفحہ ۳۳۲ میں حاشیہ پر موجود ہے۔ لکھتے ہیں :

"جو نہیں جانتے ہیں وہ تو خیر جاہل ہیں لیکن جان کر بھی علماء دیوبند کے متعلق بہتان تراشیوں اور تہمت بافیوں کی خدمت جو انجام دے رہے ہیں ان کو اپنے اعمال کا محاسبہ اسی کے سامنے دینا ہوگا جس کے سامنے نہ منطق ان کی چلے گی اور نہ مولویانہ پینترے کام آئیں گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وفات یافتہ بزرگوں کی روحوں سے امداد کے مسئلہ میں علماء دیوبند کا خیال بھی وہی ہے جو عام اہل سنت والجماعت کا ہے۔ آخر جب ملائکہ جیسی روحانی ہستیوں سے خود قرآن ہی میں ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی امداد کراتے ہیں ـــــ تو اسی قسم کی ارواح طیبہ سے کسی مصیبت زدہ مومن کی امداد کا کام قدرت اگر لے تو قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ آدمی کو عام طور پر جو امداد بھی مل رہی ہے۔ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات ہی سے تو یہ امداد پہنچا رہے ہیں۔ روشنی آفتاب سے ملتی ہے۔ دودھ ہمیں گائے اور بھینس سے ملتا ہے۔ یہ تو ایک واقعہ ہے بھلا یہ بھی انکار کرنے کی کوئی چیز ہو سکتی ہے۔ ہاں سوال یہ ہے کہ ان چیزوں کی امدادی پہلوؤں سے استفادہ یا ان کے نقصان رساں پہلوؤں سے بچنے کی قدرتی راہ کیا ہے مشرک قوموں کا طریق کار یہ ہے کہ بجائے امداد پہنچانے والی حقیقی قوت کے امداد کے ان ذرائع اور وسائط ہی کو پوجنے لگتی ہیں ـــــ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نفع ہو یا نقصان خواہ بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ ہر حال میں سب کو اسی کی طرف سے سمجھتے ہیں جو ان ذرائع اور وسائط سے نفع اور نقصان کی صورتوں کو پیدا کر رہا ہے ـــــ پس بزرگوں کی ارواح سے

مدد لینے کے ہم منکر نہیں ہیں۔ بلکہ اس امداد کے لئے بزرگوں کی یا ان کی قبروں کی ان کے آثار کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں۔ موحد اور مشرک کے نقطۂ نظر میں یہی جوہری فرق ہے۔"

بہر حال اس واقعہ میں اولیاء دیوبند کے ملفوظات اور مولانا گیلانی مرحوم کا تشریحی نوٹ یہ تصریح کر رہے ہیں۔ کہ بزرگانِ دیوبند کا مسلک اس مسئلہ میں بھی علیٰ موافق مسلک اہل سنت والجماعت ہے۔ اس کے خلاف الزام تہمت ہے جو ان کو بدنام کرنے کے لئے از خود تراشا جاتا ہے ــــــــ جیساکہ اہل بدعت کی طرف سے کیا جاتا ہے۔ یا اپنی بدنامی کو چھپانے کے لئے ان حضرات کو ناجائز طریقہ پر بطور ڈھال اور سپر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیساکہ دورِ حاضر کے اعتزال پسند طبقہ کی طرف سے ہو رہا ہے ــــــــ

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مقام پر ایک اور واقعہ بھی بیان فرمایا ہے کہ شیخ الہندؒ ایک بار بعض بزرگوں کے ذاتی شکر رنجیوں میں کچھ دلچسپی لینے لگے تھے تو مولانا رفیع الدین صاحبؒ نے فرمایا :

"ابھی ابھی حضرت نانوتویؒ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا محمود حسن کو کہہ دو کہ اس جھگڑے میں وہ نہ پڑے۔"

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی ایک اور تصنیف شاید کلمۃ الحق یا کسی اور جگہ میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ :

"سید شہید رحمۃ اللہ علیہ کو فرنٹیر میں کسی مقام پر بعض علماء سے مناظرہ یا بحث و تمحیص کی نوبت آئی تو جواب میں اس قسم کے اصطلاحی الفاظ بیان فرمائے کہ حضرت کے اپنے مقربین کو بھی اس پر تعجب ہوا جس پر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امداد کے لئے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور کسی معقولی امام کا بھی نام لیا، کے ارواح کو بھیج دیا تھا۔ وہ منقولات میں اعتراض کرتے تو امام ابو حنیفہؒ کی روح جو کچھ فرما دیتی میں وہی جواب نقل کر دیتا اور معقولات میں اعتراض ہوتا تو معقولی بزرگ کی روح سے جو کچھ سن لیتا وہی دہرا دیتا۔ مجھے اور کچھ معلوم نہیں اسی واقعہ پر آپ نے یہ شعر بھی غالباً لکھا ہے کہ

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ہرچہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

بہر حال مسئلہ مسطورہ سے متعلق دلائل کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا۔ بلکہ بزرگانِ دیوبند کے مسلک کو اس سلسلہ میں ظاہر کرنا مطلوب تھا جس کے لئے تفصیل بالا کافی ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

نقل مکتوب حضرت مولانا عبدالستار خان آغا صاحب مجددی سندھی دامت برکاتہم

از ٹنڈو سائینداد
ڈاکخانہ ٹنڈو محمد خاں

فضائل پناہ حقائق آگاہ جناب مولوی عبدالکریم صاحب زید مجدہٗ

اما بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات مخفی مباد کہ ورقیۂ انیقہ البیان مورخہ ۱۵ محرم ۱۳۸۴ھ رسید از مضامین مندرجہ آگہی یافتم موافق آرای اکابر اہل السنۃ والجماعۃ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم دانستم والعلم عند اللہ سبحانہٗ

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ما را و شما را ظاہرا و باطنا بر جادۂ شریعت مصطفویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام استقامت عطا فرماید و از شر نفس امّارہ و مکائد شیطان نجات بخشد و توفیق آں کار دہد کہ خودش بآں رضامند گردد۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ وجہ تاخیر جواب خط ناعتدالی طبعم بود۔

احقر عبدالستار عفی عنہٗ

خراج تحسین

(از حضرت مجاہد ملت مولانا غلام غوث صاحب ظلہٗ ہزاروی ناظم عمومی جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان)

"الحق" حق کی آواز ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلاء کلمۃ اللہ۔ احیاء سنت۔ خدمت دین۔ نصح مسلمین اور تنظیم امت کی توفیق عطا فرمائیں۔ پہلا پرچہ نظر سے گزرا۔ دیکھ کر دل خوش ہوا۔ اہل باطل نے ہمیشہ سے اپنے رسالوں ہی کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ اس طرح کے مفاسد کا علاج بھی اسی قسم کے ہتھیاروں سے کیا جا سکتا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ جو صوبہ سرحد میں پہلی بڑی دینی درسگاہ ہے اور جو بیسیوں عربی مدارس کے قیام کا سبب بنا۔ اس کا ایک ترجمان ہونا ضروری ہے جو اپنے درجہ اور شان کے مطابق دین قیم کی خدمت کرے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ اب یہ ضرورت پوری ہو گئی جمعیۃ علماء اسلام کی ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں۔ میں ذاتی طور پر ناکارہ ہوں لیکن حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ کے ارشادات کی تعمیل میں خوشی محسوس کروں گا۔

از قلم مولانا سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ

علم وفضل کی دنیا

امراء اور خلقِ خدا سے استغنا اور بے نیازی

اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں ہمیں بے شمار بزرگوں کے حالات ملتے ہیں۔ جنہوں نے دنیا کی متاعِ فانی کو ہیچ وحقیر جانا اور اربابِ دولت وسطوت کی مادی شان وشوکت ایک لحظہ بھی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ سکی۔ انہوں نے اپنے ان پاکیزہ نفوس کو طمع ولالچ اور ماسوا اللہ کی ہر امید وآس سے پاک وصاف کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ دنیا کے علم وفضل کے آفتاب وماہتاب اور لوگوں کے اقلیم دل ودماغ کے تاجدار تھے۔ مگر ان کے تمام اوصاف کا گوہرِ آبدار یہی وصف استغناء عن الخلق اور شانِ بے نیازی رہا۔ انہوں نے ہفت اقلیم وملکِ نیمروز کو ایک جَو سے بھی حقیر سمجھ کر متاع الدنیا قلیل کہتے ہوئے ٹھکرایا۔ ہر آن دنیا کی بے ثباتی اور ہیچ میرزی کی حقیقت اُن کے قلوب میں راسخ وثابت ہوئی اور دنیا کی بڑی سے بڑی پیشکش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وما آتانی اللہ خیرٌ مما آتاکم بل انتم بھدیتکم تفرحون۔ کیونکہ ایک مومن کی نگاہ میں رب العالمین کی عظمت وسطوت کے سامنے دنیا کی فانی اور مصنوعی طاقت وقوت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ جب کہ یہ سب کچھ چند روزہ متاع اور ڈھلتی چھاؤں ہے۔ اور وما عند اللہ خیرٌ وابقیٰ۔ یہاں ان خاصانِ حق اور صلحائے امت کے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ایوب بن ابی تیمہ سختیانی تابعی جو اقلیم علم وعمل کے تاجدار تھے۔ اربابِ دولت اور شہرت ونمود سے دور بھاگتے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کیلئے عام راستوں سے ہٹ کر دور دراز راستوں اور گلیوں کو اختیار کر لیتے کہ لوگوں کی نگاہ سے بچیں۔ اربابِ جاہ وسطوت سے اعراض وگریز کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بکر دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن میرے گھر پر خلفاء وسلاطین اور مجالس میں امراء وحکام کے آنے کے عوض میں اپنے بیٹے

کے دفن کرنے کو ترجیح دوں گا۔[1]

حضرت اعمشؒ جلیل القدر تابعی اور اجلۂ امت میں سے ہیں۔ ساری زندگی زہد و قناعت اور فقر و احتیاج میں گذری کبھی بھی ضروریاتِ زندگی سے اطمینان حاصل نہ ہوا! مگر بایں ہمہ فقر و غربت، امراء و ارباب دولت سے نہ صرف اعراض و بے نیازی کرتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود انکی مجلس میں اغنیاء اور سلاطین سب سے زیادہ حقیر اور فقیر معلوم ہوتے تھے[2] فقر و احتیاج کے باوجود جرأت و بیباکی کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام نے کسی ایسے مسئلہ کے بارہ میں ان کو لکھا جس سے صحابہؓ کے ایک گروہ پر تنقید مقصود تھی تو انہوں نے شاہی پیغام رسان کے سامنے ہی یہ خط بکری کو کھلا دیا اور کہا اس خط کا یہی جواب ہے۔

اسی عہد کے دوسرے یگانۂ علم و فضل اور یکتائے زہد و تقویٰ تابعی رجاء بن حیوۃ کا بھی یہی شیوہ رہا کہ امراء و سلاطین کے ہاں حاضری اور حاجب و دربان کی منت سے ہمیشہ اجتناب کرتے اور اگر کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھ کو اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا۔ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ اور ملتِ محمدیؐ پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے انہی کے مشورہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ (مجددِ اوّل) کو خلیفہ نامزد کیا۔ خانوادۂ فاروقی کے گل سر سبد اپنے جد امجد سیدنا عمرؓ فاروق اور اپنے نامور والد حضرت عبداللہ کے سچے جانشین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کا بھی امراء کی داد و دہش سے بے نیازی کا یہی عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کرنے آیا اور کعبۃ اللہ میں حضرت سالم بن عبداللہ سے درخواست کی کہ اپنی حاجات اور ضروریات بیان فرما دیجئے آپ نے فرمایا کہ کیا خدا کے گھر میں کسی غیر سے مانگوں؟

محبتِ الٰہی سے سرشار ان فقراء و زہاد نے فقر و فاقہ اور شدتِ بھوک کے باوجود غیر اللہ سے طمع و لالچ تو کیا مشتبہ چیزوں تک سے احتراز کیا۔ مولانا گیلانی مرحوم نے خطیب بغدادی کے حوالہ سے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں روایت درج کی ہے کہ حضرت حارث محاسبی ایک مرتبہ ان کے سامنے آئے، چہرے سے معلوم ہوا کہ بہت بھوکے ہیں حضرت جنیدؒ نے کھانا حاضر کرنے کی اجازت طلب کی جب اجازت ہوئی تو اکرام ضیف کے خیال سے حضرت جنیدؒ نے بجائے اپنے گھر اپنے چچا (جو دولت مند آدمی تھے) کے ہاں سے مختلف اقسام کے کھانوں کا سجا ہوا خوان لا کر پیش کر دیا۔ حضرت حارث نے ایک لقمہ لیا اور منہ میں گھماتے رہے لیکن نہ نگل سکے اور جب کھڑے ہو کر جانے لگے تو دروازہ پر پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا حضرت جنیدؒ نے وجہ پوچھی تو فرمایا بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی ——— ہے

۱؎ ابن سعد ج ۶، ق ۲ ص ۱۰ ۲؎ طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۳۸ ۳؎ شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۲۱ بحوالہ تابعین ص ۳۴

نحوستِ ایام

حضرت مولانا سید تقویم الحق صاحب کاکاخیل۔ ایم۔ اے (فاضل دیوبند)

ادارہ الحق حضرت مولانا موصوف کا شکر گذار ہے جنہوں نے کثیر مشاغل کے باوجود یہ بیش قیمت اور اچھوتا مضمون عنایت فرمایا اور آئندہ بھی قارئین کو اپنے عالمانہ نگارشات سے مستفید فرمانے کی توقع رکھتا ہے۔ (ادارہ)

نحوست کا تصور ایک سرسری وہم نہیں۔ ایک گہرا نفسیاتی مسئلہ ہے۔ اور اس کی سرحدیں ذرا دور جاکر بنیادی عقائد سے مل جاتی ہیں۔ نحس کے عام معنوں میں "منحوس" وہ ہے جس کے نیچے اثر سے دوسرے مبتلائے مصیبت ہوتے ہوں۔ منحوس آدمی وہ ہے جس کی صورت دیکھ کر دن بھر ٹھوکریں کھانی پڑیں۔ منحوس گھر وہ ہے جو اپنے ہر مالک کے لئے کوئی نہ کوئی آسمانی عذاب لائے۔ منحوس دن وہ ہے جس میں تمام تدبیریں الٹی پڑ جائیں اور منحوس ستارہ وہ ہے جس کے زیر اثر مخلوق کبھی چین نہ پا سکے ——

نحوست کا یہ تصور ایک فکری بے بسی کا مظہر ہے۔ انسان شروع سے ہی یہ محسوس کرتا رہا ہے کہ اس دنیا پر اس کی حکومت مکمل نہیں۔ یا پھر اس دنیا کے متعلق اس کے علم میں کوئی نقص ضرور ہے اپنے تجربے، مشاہدے اور فکر سے اس نے سبب و مسبب کا جو سلسلہ قائم کیا ہے۔ وہ کبھی کبھی کسی جگہ سے بلا وجہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس سے وابستہ امیدیں بکھر جاتی ہیں۔ وہ ایک حسین صبح کو دن بھر کا ایک دل آویز تفریحی پروگرام بنا کر گھر سے نکلتا ہے۔ اور سوچتا ہے کہ کم از کم فارغ البالی کا یہ ایک خوشگوار دن ہم فکر اور ہم سخن دوستوں کی صحبت میں لطف سے کٹ جائے گا۔ اور کچھ دیر

کے لئے غم دوراں کی کلفتوں سے نجات مل سکے گی۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ جس دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ وہ بند ملتا ہے۔ جس جگہ جاتا ہے محروم لوٹتا ہے۔ اور جس دوست سے ملتا ہے وہ غم واندوہ کی ایک طویل داستان سنانے لگ جاتا ہے۔ واپس آتا ہے تو یہ دن اس کی زندگی کا بدترین دن ہوتا ہے ۔۔۔۔ تھکا تھکا اداس اداس بستر پہ پڑ کر وہ سوچتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا ؟

وہ دس پندرہ سال تک پائی پائی جمع کر کے ہزاروں امیدوں سے ایک گھر خریدتا ہے۔ اور سوچتا ہے آخر مجھے ایک ٹھکانہ مل ہی گیا۔ اب میرے بچے در در نہیں پھریں گے اور کرایہ خواہوں کے احسان نہیں اٹھائیں گے۔ مگر اس گھر میں پہنچتے ہی اس کے بچے یکے بعد دیگرے بیمار ہونے لگ جاتے ہیں۔ جن کے لئے گھر خریدا تھا وہ ایک ایک کر کے اس گھر سے اٹھ جاتے ہیں۔ یہ تن تنہا در و دیوار کو رونے بیٹھ جاتا ہے۔ اور پھر سوچتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوا۔ ؟

اس کے کھیت لہلہانے لگ جاتے ہیں۔ خوشے گیہوں سے بھر جاتے ہیں۔ اور ابر رحمت کے آخری قطروں کا انتظار ہوتا ہے۔ بادل اٹھتے نظر آتے ہیں تو وہ خوشی سے جھومنے لگتا ہے۔ اس کی نظروں میں بھرے خرمن ہوتے ہیں۔ اور سال بھر کی فارغ البالی۔ مگر اچانک بادل کے قطرے سمٹ سمٹ کر عذاب الٰہی کے گولے بن جاتے ہیں اور اس کی نظروں کے سامنے وہ لہلہاتے کھیت خس وخاشاک کے ڈھیر میں بدل جاتے ہیں۔ اس کی اشکبار آنکھیں پوچھنے لگ جاتی ہیں۔ آخر ایسا کیوں ۔۔۔۔ ؟

یہ غیر معمولی مگر روزانہ کے حوادث اسے یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ کہ عام ظاہری عوامل کے علاوہ اس دنیا کے نظام کار میں کچھ غیبی عوامل بھی شریک ہیں۔ اور وہ جہاں چاہتے ہیں۔ جب چاہتے ہیں سبب و مسبب کے سلسلے میں سے ایک کڑی نکال دیتے ہیں ۔۔۔۔ اور "یوں ہوا ہے تو یوں ہوگا" کی زنجیر ٹوٹ جاتی ہے ۔۔۔۔

مذہب نے اسے ہمیشہ یہ بتایا کہ اس دنیا کا ایک مالک ہے۔ یہ زمین و آسمان یہ چاند سورج۔ یہ عوامل طبیعی اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور اس نظام کا چلانے والا وہ ہے۔ ہم اس کے ہاتھ میں شطرنج کے مہرے ہیں۔ اور یہ ہمارے سبب و مسبب کے سب سلسلے فکر کی نارسائی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لئے اپنی تدبیروں کے نتائج اس کی مرضی پر چھوڑنے چاہئیں۔ اور اس کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا چاہئے۔ سکون و سلامتی کا راستہ یہی ہے۔

مگر انسان کی انانیت نے اس تعلیم کو کبھی دل سے تسلیم نہیں کیا۔ اس کے معنی تو یہ ہوئے

کہ وہ اپنے آپ کو کمتر سمجھے۔ بے بس سمجھے اور اپنی ہستی ایک بالاتر قوت کے سپرد کر دے۔ اس نے زبان سے تو یہ بات مان لی۔ مگر مذہبی حدود میں رہ کر یا مذہبی حدود سے باہر نکل کر اس غیبی قوت کی گرفت سے آزاد ہونے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

اور پھر اس نے اپنے ناقص مشاہدے اور مختصر تجربے سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ بعض آدمیوں بعض گھروں، بعض دنوں، بعض ستاروں میں یہ خاصیت ہوتی ہے۔ کہ جن کو بھی ان سے کوئی تعلق پیدا ہو جائے اسے مبتلائے مصیبت کریں۔ اگر ان منحوسوں سے بچنے کی کوئی صورت ہو سکے تو غیبی عوامل کی گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔ اور مستقبل امیدوں سے ہم آہنگ رہے گا۔

یہ بات آدمیوں، دنوں، گھروں اور ستاروں تک محدود نہیں رہی، بلکہ ہر صدی اس فہرست میں کوئی نہ کوئی اضافہ کرتی رہی۔ اور ہر قوم نے اس میں کچھ نہ کچھ بڑھایا۔ حتیٰ کہ اس فہرست میں اب تیرہ کے ہندسے سے لیکر مریخ کے ستارے تک اور کالی بلی سے لیکر سبز آنکھوں تک ہر قسم کے بے جان و جاندار ہر قسم کے امراض و جواہر مل سکتے ہیں۔ بلکہ اگر تمام اقوام عالم سے اس قسم کی ایک فہرست جمع کی جائے۔ تو شاید ہی کوئی چیز "منحوس" کے دائرے سے باہر نظر آئے ......

بہرحال اگر صورتِ حال کی یہ تحلیل صحیح ہے۔ تو پھر اس تصور اور توحید حقیقی میں ہم آہنگی مشکل ہے۔ اسلام نے خداوند قدوس کے علاوہ کسی ہستی کو عاملِ حقیقی نہیں مانا۔ اور نہ کسی اور چیز کو کارخانۂ ہستی میں غیبی موثر کی حیثیت دی ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں بدفالی کی ممانعت آئی ہے:

عن ابی ھریرۃؓ لاعدویٰ ولاطیرۃ ولاھامۃ واحب الفال الصالح (صحیح مسلمؒ)	ابوہریرہؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نہ چھوت چھات ہے نہ بدفالی۔ اور میں فالِ نیک پسند کرتا ہوں۔
وعن جابرؓ لاعدویٰ ولاطیرۃ ولاغول۔ (صحیح مسلمؒ)	جابرؓ سے روایت ہے۔ کہ چھوت چھات ہے۔ نہ بدفالی۔ نہ غولِ بیابانی۔

امام نوویؒ نے شرح صحیح مسلمؒ میں اسی حدیث کے ضمن میں لکھا ہے۔

وفی حدیث الطیرۃ شرک	اور ایک حدیث میں آیا ہے بدفالی شرک ہے۔

ابتدائے اسلام میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کسی چیز

کو اس معنی میں منحوس سمجھا ہو۔ لیکن بعد میں جب عجمی مذاق کی آمیزش نے "ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن" کے مفہوم میں الجھنیں پیدا کیں۔ اور اعمال و اذہان پر عقائد کی گرفت کمزور پڑ گئی تو تصورِ نحوست کو پھر ابھرنے کا موقع ملا۔ اور اس دفعہ تمام عجمی فلسفوں کی طرح بعض ترمیمات کے ساتھ جواز کی حدود میں اور جواز کا فتویٰ لے کر ابھرا۔ اس کے قائلین کا سب سے بڑا سہارا قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں۔ جن میں قوم عاد کا تذکرہ ہے:

اما عاد فاستکبروا فی الارض وقالوا من اشد منا قوة۔ اولم یروا ان اللہ الذی خلقهم هو اشد منهم قوة۔ وکانوا بآیاتنا یجحدون فارسلنا علیهم ریحا صرصرا فی ایام نحسات لنذیقهم عذاب الخزی فی الحیوة الدنیا ولعذاب الآخرة اخزی۔ وهم لاینصرون۔ (حم السجدة)

جو عاد تھے وہ ملک میں ناحق غرور کرنے لگے۔ اور کہنے لگے ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؛ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ خدا جس نے انکو پیدا کیا ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے، اور ہماری آیتوں سے انکار کرتے رہے تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی ہوا چلائی۔ تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے۔ اور (اس روز) انکو مدد بھی نہ ملے گی۔

کذبت عاد فکیف کان عذابی ونذر انا ارسلنا علیهم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر تنزع الناس کانهم اعجاز نخل منقعر فکیف کان عذابی ونذر۔ (القمر)

عاد نے بھی تکذیب کی تھی۔ سو (دیکھ لو) کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر سخت منحوس دن میں آندھی چلائی۔ وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیڑے ڈالتی تھی گویا اکھڑے ہوئے کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھ لو) کہ میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ (ترجمہ از فتح الحمید)

اکثر مفسرین نے ایام نحسات یا یوم نحس مستمر کو زیادہ بحث طلب نہیں سمجھا۔ ابن جریرؒ نے لکھا ہے۔

یوم نحس مستمر ای یوم شر وشوم لهم۔

یوم نحس یعنی ان کے لئے مصیبت اور نحوست کا دن۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

یوم نحس مستمر اسمه ابتداءُ

یوم نحس مستمر یعنی ان کا عذاب اس دن شروع

وبهذا العذاب فی یوم نحس علیهم	ہوا جو ان کے لئے منحوس دن تھا۔ اور پھر
واستمر بهم هذا النحس سبع لیالی	یہ عذاب سات رات اور آٹھ دن رہا۔ یہاں
وثمانیة ایام حسوماً حتی اباد هم	تک کہ انکو بالکل تباہ کر دیا۔
عن آخرهم۔	

دیکھئے یہ دونوں بزرگ لفظ نحس کے ساتھ علیہم کا ضرور تذکرہ کرتے ہیں۔ یعنی یہ دن ان کے لئے منحوس تھا۔ یہ نحوست نہ دائمی تھی، نہ متعدی۔

بعض مفسرین نے مزید تفصیل سے کام لیا ہے۔ ابو سعودؒ نے ایام نحسات کے متعلق لکھا ہے

کن آخر شوال من الاربعاء الی	یہ آخر شوال کے دن تھے۔ بدھ سے بدھ
الاربعاء۔ وما عذب قوم الایوم	تک۔ اور کوئی قوم بھی بدھ کے سوا کسی اور
الاربعاء۔	دن مبتلائے عذاب نہیں ہوئی۔

سلیمان الجمل کے الفتوحات الالٰہیہ میں مزید تفصیل ہے:

وفی القرطبی ایام نحسات ای	اور القرطبی نے لکھا ہے۔ ایام نحسات یعنی
مشؤمات۔ قاله مجاهدؒ وقتادةؒ۔	برے دن۔ اور یہی مجاہد وقتادہ نے کہا ہے
کانت آخر شوال من یوم الاربعاء	یہ شوال کے آخری دن تھے بدھ سے بدھ
الی یوم الاربعاء۔ وذالك سبع لیال	تک۔ سات راتیں اور آٹھ دن سخت سرد
وثمانیة ایام حسوما۔ قال ابن عباسؓ	ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کوئی قوم بھی بدھ کے
وما عذب قوم الایوم الاربعاء۔	سوا کسی اور دن مبتلائے عذاب نہیں ہوئی۔

یہاں تک بظاہر کوئی حرج نظر نہیں آتا۔ تفاسیر میں حالات و واقعات کی تفصیل و تعین میں عام طور پر اسرائیلیات اور ضعیف احادیث سے مدد لی جاتی ہے۔ اور یہاں بھی صرف دن اور تاریخ متعین کرنے کی کوشش ہے۔ اگرچہ یہ شوال وہی شوال ہے جس کی نحوست کی بات حضرت عائشہؓ تک پہنچی تھی اور ان کو تردید کرنی پڑی تھی۔ اور "ما عذب قوم الایوم الاربعاء" سے بدھ کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دن کافروں کے حق میں اچھا نہیں رہا۔ اور بات "مشؤم علیہم" سے آگے نہیں بڑھتی۔

علامہ آلوسیؒ نے ابن عباسؓ کی غالباً اسی روایت کو ایک اور طریقے سے نقل کیا ہے۔

اخرج الوکیعؒ فی الغرر وابن مردویه	وکیعؒ نے غرر میں اور ابن مردویہ

والخطیب البغدادیؒ عن ابن عباسؓ
اور خطیب بغدادیؒ نے ابن عباسؓ سے روایت

آخر الاربعاء فی الشهر یوم نحس مستمر
کی ہے کہ مہینے کا آخری بدھ مسلسل نحوست کا دن ہے۔

دیکھئے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ روایت ضعیف ہی نہیں بے بنیاد ہے۔

الحدیث المذکور فی سندہ مسلمة بن
اس حدیث کی سند میں مسلمة بن الصلت ہے۔

الصلت وقال ابو حاتمؒ هو متروک و
جسکو ابو حاتمؒ نے متروک لکھا ہے۔ ابن جوزیؒ

جزم ابن الجوزیؒ بوضعه وقال
کو اس حدیث کے موضوع ہونے کا یقین ہے۔

السخاویؒ طرقه کلها واهیة۔
اور سخاویؒ نے لکھا ہے اسکے سارے طریقے کمزور ہیں۔

مگر اس ضعیف اور بے بنیاد حدیث نے ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دل میں جگہ کر لی۔ اور صرف مہینے کا آخری بدھ نہیں بدھ کا دن ہی منحوس ہوگیا۔ اور کہنے لگے۔ "اربعاء لا تدور" بدھ جو لوٹ کر نہیں آتا" ایک شاعر نے کہا ہے :

لقاءك للمبکر فال سوء
منہ اندھیرے تمہارا منہ دیکھنا بدفالی ہے اور

ووجهك اربعاء لا تدور
تمہارا چہرہ بدھ ہے جو خیر سے کہیں نہیں لوٹتا۔

اور بدھ کے دن مریض کی عیادت تک متروک ہوگئی۔

لم یُعَدْ فی الاربعاء مریض
کسی مریض کی عیادت بدھ کے دن نہیں ہوتی

الا دفناه فی خمیس
جسے ہم نے جمعرات کو دفن نہ کیا ہو۔

دنوں اور مہینوں کی یہ نحوست پورے وقت پر چھاتی چلی گئی۔ اور آخر معاملہ ستاروں اور ستارہ شناسیوں تک پہنچ گیا۔ صائب نے لکھا ہے :-

ز خالِ گوشۂ دیدار یار می ترسم
از یں ستارۂ دنبالہ دار می ترسم

لطف کی بات یہ کہ صاحبِ صراحؒ نے اپنی لغت کی کتاب میں نحس کے معنی "بد اختر و بد اختر شدن" لکھے ہیں۔ اور محسوس تک نہیں کیا کہ اخترِ بد کوئی چیز ہی نہیں۔

آپ نے غور فرمایا ہوگا۔ کہ عہدِ اوّل کی تفاسیر میں نحس کا ترجمہ "مشئومات علیهم" سے زیادہ نہیں ملتا۔ ابن عباسؓ کی روایت جس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے۔ موضوع ہے۔ اور اس کے تمام طرق کمزور ہیں۔ اس لئے قابلِ اعتماد نہیں۔ نحس کے معنی اگر برے دن ہیں بھی۔ تو صرف کفار کے لئے اور وقتی طور پر۔ مگر ایک بات اور بھی سوچنے کی ہے۔ کیا قرآنِ مجید میں اس جگہ " ایام نحسات کے معنی بُرے دن ہیں بھی ــــــ ؟

حضرت شیخ الہندؒ نے ایام نحسات کے معنی "مصیبت کے دن" لکھے ہیں. گویا ان کے خیال میں بھی یہاں منحوس کے معنی مشئوم نہیں. صاحب قاموس نے لکھا ہے۔

النحس الامر المظلم والریح البارده اذا ادبرت والغبار فی اقطار السماء وعام نحس ونحیس مجدب۔	نحس اندھیری چیز۔ ٹھنڈی ہوائیں۔ آسمان کے کناروں پر چھایا ہوا غبار اور نحس سال قحط کا سال۔

المنجد نے بھی یہی لکھا ہے:

والنحس ایضاً الجھد والضر والامر المظلم والریح البارده اذا ادبرت والغبار فی اقطار السماء۔ النحس ثلاث لیالٍ فی آخر شہر قمری۔	اور نحس کے معنی اور بھی ہیں۔ جدوجہد۔ اندھیری چیز ٹھنڈی ہوائیں آسمان کے کناروں کا غبار۔ اور قمری مہینے کی آخری تین راتیں۔

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں لکھا ہے:

وقیل نحسات ذات غبار والیہ ذھب الجبائی ومنہ قول الراجز۔ قد اغتدی قبل طلوع الشمس للصید فی یوم قلیل النحس	اور کہا گیا ہے۔ نحسات یعنی گردآلود۔ اور یہی جبائیؒ نے مراد لیا ہے۔ اور اسی سے راجز کا قول ہے۔ سویرے اٹھا ہے سورج نکلنے سے پہلے شکار کے لئے ایسے دن جس میں غبار نہیں تھا۔

معلوم ہوتا ہے نحس کے یہی معنی مشہور ہی نہیں۔ اور معانی بھی ہیں۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس مادے کے اصلی معنی ظلمت اور اندھیرے کے ہوں۔ مہینے کی آخری راتیں سیاہ ہوتی ہیں۔ گردوغبار میں اندھیرا ہوتا ہے۔ سرد راتوں میں بھی کم از کم کہر کی تیرگی تو ہوتی ہی ہے اور مصیبت کے دن بھی روشن نہیں ہوتے۔ گویا اس لفظ کا پورا مادہ غبار آلود ہے۔ اور لفظ کا یہی پہلو قابلِ توجہ ہے۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:

استدل الاحکامیون من المنجمین بھذہٖ الآیۃ علی ان لبعض الایام قد یکون نحسا وبعضھا قد یکون سعدا وقالوا ھذہٖ الآیۃ صریحۃ	نجومیوں میں سے احکامیوں نے اس آیت سے استدلال کی ہے۔ کہ کچھ دن کبھی کبھی منحوس ہوتے ہیں۔ اور کچھ کبھی مبارک اور کہا ہے۔ یہ آیت اس سلسلے میں صاف

فی ھذا المعنی واجاب المتکلمون بان قالوا ایام نحسات ای ذوات غبار داتراب۔

اور واضح ہے۔ اور متکلمین جواب دیتے ہیں۔ کہ ایام نحسات سے مراد ہیں مٹی اور گرد والے دن۔

انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان اس زمانے میں کسی ایک شخص کا نہیں تمام متکلمین کا عام جواب تھا۔ قوم عاد کی تاریخ اور انداز عذاب سے اس جواب کی تائید ہوتی ہے۔

قوم عاد کی سرزمین یکسر ریگستانی تھی۔

واذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف۔ (الاحقاف)

اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ہدایت کی۔ (ترجمہ از فتح الحمید)

اس احقاف کی تفصیل میں علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ارض القرآن میں لکھا ہے۔ " اور ملکوں میں پانی کا دریا ہوتا ہے۔ جس میں کبھی کبھی طوفان آتا ہے۔ عرب اور افریقہ میں ریگستان کا دریا ہے احقاف ایک عظیم ریگستان ہے۔ جو سینکڑوں میل تک وسیع ہے۔ اور اب اس کو الربع الخالی کہتے ہیں۔ اس میں جب تیز ہوا چلتی ہے۔ تو زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ ریگ کے پہاڑ کے پہاڑ ہوا میں اڑتے ہوتے ہیں۔ اور جہاں وہ بیٹھتے ہیں اسکو دبا کر ختم کر دیتے ہیں۔ قافلہ کا قافلہ گاؤں کا گاؤں اس کے نیچے دب کر موت سے پہلے مدفون ہو جاتا ہے۔ پھر اتفاق سے جب وہاں سے ریگ ہٹتی ہے۔ تو ہڈیوں کا قلعہ نظر آتا ہے۔"

ریگستانی علاقوں میں تند ہواؤں کا موسم معلوم ہوتا ہے۔ اس موسم میں دن غبار آلود ہوتے ہیں۔ اور راتیں تاریک۔ سب لوگ اپنے کاروبار موقوف کر کے گھروں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ابر رحمت کا انتظار کرتے ہیں۔ تاکہ بارش کے قطرے گرد و غبار بٹھا دیں۔ اور زندگی پھر سے آسان ہو جائے۔ غالباً ایسے ہی موسم میں انہیں عذاب الٰہی سے ڈرا دیا گیا تھا۔ اس لئے جب دن غبار آلود ہوئے۔ تو انہوں نے اسے "نحس مستمر" یعنی حسب معمول غبار آلود دن سمجھ کر کوئی پروا نہیں کی۔ اور جب دور سے بادل اٹھتے نظر آئے۔ تو بجائے ہراساں ہونے کے وہ خوش ہوئے۔

فلما رأوہ عارضاً مستقبل اودیتھم قال ھذا عارض ممطرنا۔ بل ھو ما استعجلتم بہ ریح فیہ عذاب الیم (الاحقاف)

اور جب (انہوں نے) اس عذاب کو دیکھا۔ کہ بادل (کی صورت میں) ان کے میدانوں کی طرف آرہا ہے۔ تو کہا یہ تو بادل

ہے۔ جو ہم پر برس کر رہے گا۔ (نہیں) بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔ (ترجمہ از فتح الحمید)

متکلمین کی یہ توجیہ صورت حال پر ایسی منطبق ہوتی ہے۔ کہ جی چاہتا ہے۔ اسی کو ترجیح دی جائے۔ اسی سلسلہ میں صرف ایک حدیث اور غور طلب ہے۔ اور پھر بات ختم ہو جاتی ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے :

لا عدوی ولا طیرۃ وانما الشوم فی	نہ چھوت چھات صحیح ہے۔ نہ بدفالی۔
ثلاثۃ المرأۃ والفرس والدار	البتہ مصیبت تین چیزوں میں ہے عورت میں۔ گھوڑے میں اور گھر میں۔

میں نے "شوم" کا ترجمہ مصیبت کیا۔ اکثر محدثین کا یہی خیال ہے۔ کہ یہاں "شوم" سے مراد "بداثری" نہیں مصیبت ہے۔ یہی چیزیں اپنے ساتھ انسان کے لئے ہزاروں ذمہ داریاں اور ہزاروں تکلیفیں لاتی ہیں۔ مگر حدیث کے یہ الفاظ تمام روایتوں میں یکساں نہیں ہیں۔ خود ابن عمرؓ سے امام مسلمؒ نے یہ حدیث بطرق مختلفہ یوں بیان کی ہے۔

ان یک من الشوم فی شیئ ففی الفرس	اگر کسی چیز میں "شوم" ہے تو پھر گھوڑے
والمرأۃ والدار۔	عورت اور گھر میں ہونا چاہئے۔

یہی الفاظ امام مسلمؒ نے سہل بن سعدؓ اور جابرؓ سے روایت کئے ہیں۔ اس طرح "انما الشوم" کے راوی تنہا رہ جاتے ہیں۔ چونکہ روایت بالمعنی عام تھی۔ اس لئے ہو سکتا ہے۔ کسی راوی نے حرف شرط کو ضروری نہ سمجھ کر حذف کیا ہو۔

جو الفاظ طرق مختلفہ سے متفق علیہا مروی ہیں۔ ان سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ کہ ان تین چیزوں میں شوم ہے۔ ملا علی قاریؒ نے المرقات میں اسی حدیث کے ضمن میں لکھا ہے :

والشرط للمبالغۃ کقولہ علیہ السلام	اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے بڑھ سکتی
لو کان شیئ سابق القدر لسبقتہ العین	تو وہ "نظر بد" ہوتی۔

پھر شوم کے معنی نحوست کے بھی تو نہیں ہیں۔ نحوست و بدفالی لازم وملزوم ہیں۔ منحوس چیز سے طبعاً کراہت ہوتی ہے۔ اسے اپنانے کو جی نہیں چاہتا۔ اور بدقسمتی سے پالا پڑ جائے تو ہزاروں مصیبتوں کا پیش خیمہ سمجھی جاتی ہے۔ اسی کو تطیر کہتے ہیں۔ اور اسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے :

عن معاویة بن الحکم السلمی قال	معاویہ بن حکم السلمیؓ سے روایت ہے کہ
کنا ناتی الکھان قال فلا تاتوا الکھان	میں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے)
قال کنا نتطیر قال ذالک شیئ یجدہ	کہا، ہم کاہنوں کے پاس جایا کرتے تھے۔
احدکم فی نفسہ فلا یصدنکم (صحیح مسلم)	فرمایا اب نہ جایا کریں۔ میں نے کہا ہم بدفالی

کیا کرتے تھے۔ فرمایا اس چیز کو کوئی اپنے دل میں کھٹکتا ہوا پائے گا۔ تو وہ تم کو کسی کام سے روک نہ سکے۔

لاعدوی ولا طیرۃ کو پیش نظر رکھیں۔ تو شوم سے وہی معنی مراد لینے پڑیں گے جس میں بدفالی کا شائبہ نہ ہو۔ اور اس صورت میں شوم مصیبت کے معنی میں تو ہو سکتا ہے۔ نحوست کے متداول معنی میں نہیں ——

اما النحوسة التی عند اھل الجاھلیة	اور جو زمانہ جاہلیت والوں کی نحوست
فقد وضعھا الاسلام تحت قدمہ۔	تھی تو اسکو اسلام نے پاؤں تلے روند
(فیض الباری)	دیا ہے۔

احوال وکوائف دارالعلوم حقانیہ

مولانا بدرعالم مرحوم کی تعزیت دارالعلوم حقانیہ میں محدث جلیل مولانا بدرعالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ کے خبر وصال بڑے رنج وغم سے سنی گئی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مولانا مرحوم کے متوسلین اعزہ واقارب سے اظہار تعزیت کیا اور درس حدیث کے بعد طلبہ سے دعائے مغفرت والیصال ثواب کرایا گیا۔

علمی عطیہ پارہوتی مردان کے ایک علمی خاندان کے جناب حافظ رشید احمد صاحب نے حضرت شیخ الحدیث صاحب کو وہاں کے مدرسہ عربیہ کی رسم دستار بندی کے موقع پر دارالعلوم حقانیہ کیلئے اپنا گرانقدر علمی کتب خانہ پیش کیا جو چھوٹے بڑے ۸۷ قیمتی کتب و رسائل پر مشتمل ہے۔ اسی طرح الحاج عطا محمد خان صاحب (شیدو) رکن دارالعلوم نے دینی رسائل وجرائد کا ایک بڑا ذخیرہ دارالعلوم کو ارسال فرمایا۔ دارالعلوم ہر دو حضرات کا ممنون ہے۔

حضرت مہتمم صاحب کے تبلیغی مشاغل حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے حسب معمول دارالعلوم کے علمی، انتظامی اور تدریسی مشاغل کے باوجود حسب ذیل مقامات کے دینی اجتماعات اور مدارس عربیہ کے سالانہ جلسوں میں شمولیت کی۔ مدرسہ عربیہ طیبہ مرزا ڈھیر۔ مدرسہ عربیہ پارہوتی مردان۔ مدرسہ تعلیم القرآن مانیری پایان صوابی۔ دینی اجتماع مقام انبار (صوابی) جہانگیرہ وغیرہ۔

(مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام)

قانونِ مکافاتِ عمل

——— مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب ۔ راولپنڈی صدر ———

ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے ایک طبعی قانون مقرر کر دیا ہے جس کے موافق دنیا کے سارے کاروبار چل رہے ہیں ۔ جو کچھ توڑ پھوڑ کا ہنگامہ دنیا میں بپا ہے اور عقلِ انسانی جو کچھ ایجاد و اختراع کر رہی ہے ۔ یہ سب کچھ اسی طبعی قانون کی طفیل ہے ۔

ہزاروں برس سے آگ میں تپش ہے ۔ اس میں جلانے کی قوت ہے ۔ پانی پیاس بجھاتا ہے ۔ ٹھنڈک پہنچاتا ہے ۔ سنکھیا انسانی زندگی کو ختم کرتا ہے ۔ اور تریاق زہر کے اثرات کو زائل کرتا ہے ۔ دواؤں کے استعمال سے بیماریاں دور ہوتی ہیں ۔ غذا کھانے سے کمزور و ناتواں بدن قوت و طاقت حاصل کرتا ہے ۔ جبر و تشدد کے ذریعہ کمزوروں پر غلبہ حاصل کیا جاتا ہے ۔ اسلحہ دشمنوں کو زیر کرنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے ۔ زمیندار کی محنت سے اناج اور غلہ اگتا ہے ۔ تاجر جدوجہد سے اپنے لئے وسائلِ زندگی مہیا کرتا ہے ۔ مزدور اپنی مشقت سے خون پسینہ ایک کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہے ۔ تنظیم سے ایک بکھری ہوئی قوم بنیان مرصوص بن جاتی ہے ۔

یہ سب چیزیں اپنا اپنا اثر رکھتی ہیں ۔ اور خدا کے قانونِ طبعی کے مطابق دنیا کا ذرہ ذرہ سرگرم عمل ہے ۔ اسی طرح اس کا ایک قانونِ مکافاتِ عمل بھی ہے ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اچھے اور برے اعمال و اخلاق اپنا اثر رکھتے ہیں ۔ فرد اور قوم کی اصلاح اور فساد کا دار و مدار اچھے اور برے اعمال پر ہے ۔ اگر کسی فرد یا قوم کے سامنے اچھے اعمال و اخلاق کا راستہ ہوگا تو اس کا اثر خیر و فلاح کی شکل میں ظاہر ہوگا ۔ اور اگر کسی فرد یا قوم نے اعمالِ بد اور اخلاق سیئہ کی راہ تجویز کر لی ہے ۔ تو نتیجہ ناکامی ، خسران ، تباہی اور بربادی کی صورت میں ظاہر ہوگا ۔

قرآن نے اس حقیقت کا اظہار بڑی تفصیل سے کیا ہے ۔ اور بار بار انسانوں کو متنبہ کیا ہے ۔

کہ انسانی اعمال و اخلاق انسان کی زندگی میں بڑا موثر کردار ادا کرتے ہیں. گذشتہ اقوام کی ہلاکت اور تباہی کا جو ہولناک منظر قرآن نے کھینچا ہے۔ اس سے انسانی اعمال کے نتائج پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔

آپ گذشتہ اقوام کے حالات قرآن میں پڑھئے. اس سے اندازہ ہوگا. کہ جو بیماریاں ان میں پھیلی ہوئی تھیں. اور جس غلط راہ پر وہ لگے ہوئے تھے، یہ ہلاکت اور تباہی اس کا قدرتی نتیجہ تھا. اور خود انسان اس کا ذمہ دار تھا. انسان اپنی بے بسی اور قدرت سے محرومی کی آڑ لیکر ان نتائج سے بچ نہیں سکتا۔۔۔۔ بعض جرائم تو ایسے ہیں جو گذشتہ امتوں میں مشترک ہیں۔ اور بعض جرائم ایسے ہیں. کہ جو بعض اقوام کی امتیازی شان بن چکے تھے. دونوں قسم کے جرائم کو مٹانے کے لئے پیغمبرانہ دعوت سامنے آئی جس کا مقصد انسانی جرائم کی نشاندھی اور ان سے بچنے کے طریقے متعین کرنا تھا۔

قوم ہودؑ - قوم صالحؑ۔ قوم لوطؑ - قوم شعیبؑ میں شرک اور بت پرستی مشترکہ جرم تھا۔ اور جس کے مٹانے کیلئے ہر پیغمبرؑ کی زبان پر یہ دعوت تھی. یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہٗ - (اے قوم بندگی کرو اللہ کی کوئی تمہارا حاکم نہیں سوائے اس کے۔)

اس مشترکہ جرم کے علاوہ دوسرے امور میں ہر ایک قوم کی الگ الگ راہ تھی. کوئی کم تولنے اور لوگوں کو دھوکہ دینے میں مبتلا تھی. کوئی غیر فطری طور پر شہوت برآری کے قبیح فعل میں محو تھی. کوئی شعائر اللہ کی بے حرمتی اور بے عزتی اپنا مشن بنائے ہوئے تھی. یہ ایک طویل فہرست ہے. جو ان قوموں کے حالات میں قرآن کریم نے شمار کی ہے۔

قرآنی آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے. کہ امم سابقہ کے ہلاک ہونے کی وجہ صرف شرک و بت پرستی نہیں ہے. بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے جرائم و معاصی جو ان قوموں میں نفوذ کر چکی تھیں، وہ بھی خدا کے غضب کو دعوت دینے کا باعث بنیں ۔۔۔۔ چند قوموں کا حال آپ دیکھیئے:

قوم عاد | اس قوم کے سامنے حضرت ہودؑ نے سب سے پہلے توحید کی دعوت پیش فرمائی۔ کیونکہ بت پرست تھے. فرمایا یٰقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہٗ - (اے میری قوم بندگی کرو اللہ کی. کوئی تمہارا حاکم نہیں سوائے اس کے۔) یہ ایک مشترکہ جرم تھا. دوسرے جرائم کی نشاندہی اس طرح کی گئی۔ ۱- پہلا جرم دنیا میں انہماک، آخرت فراموشی اور نمائش کے

لئے بڑی بڑی بلڈنگوں کی تعمیر۔ حضرت ہود نے فرمایا اتبنون بکل ریع آیة تعبثون۔ وتتخذون مصانع لعلکم تخلدون۔ (کیا بناتے ہو ہر اونچی زمین پر ایک نشان بھیلنے کو اور بناتے ہو کاریگریاں شاید تم ہمیشہ رہو گے۔) اس قوم کا تصوّر یہ تھا کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے۔ اس لئے مضبوط قسم کی عمارتیں بناتے اور مختلف قسم کی کاریگریاں اس میں دکھاتے۔

۲۔ دوسرا جرم۔ ظلم وستم اور مخلوقِ خدا پر جبر و تعدی۔ اسکی نشاندہی ان الفاظ میں کی گئی: واذا بطشتم بطشتم جبارین۔ (اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے) یعنی ظلم وستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے۔ گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی مخلوق کو جبر و تعدّی تختۂ مشق بنایا ہوا ہے۔

۳۔ تیسرا جرم۔ انبیاء سے ہنسی مذاق اور ان کا تمسخر اڑانا۔ قرآن نے فرمایا: قال الملاء الذین کفروا من قومہ انا لنراک فی سفاھۃ وانا لنظنک من الکاذبین۔ (بولے سردار جو کافر تھے اسکی قوم میں۔ ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں۔ اور ہم تو تجھ کو جھوٹا گمان کرتے ہیں۔) کافروں نے اپنی عادت کے موافق پیغمبر کو بے عقل اور جھوٹا کہا۔ اور مقصد پیغمبروں کی دانا اور پاکیزہ جماعت سے تمسخر اور استہزا تھا۔

۴۔ چوتھا جرم۔ ہٹ دھرمی اور غلط کام پر ڈٹے رہنا۔ قرآن نے فرمایا: قالوا اجئتنا لنعبد اللہ وحدہٗ ونذر ما کان یعبد آباؤنا۔ فأتنا بما تعدنا ان کنت من الصّادقین۔ (بولے کیا تو اس واسطے ہمارے پاس آیا کہ ہم بندگی کریں اکیلے اللہ کی۔ اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے۔ پس تو لے آ ہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے۔ اگر تو سچا ہے۔) یعنی ہم اپنے غلط راستے سے نہ ہٹیں گے۔ اور تمہاری نصیحتوں سے باز نہ آئیں گے۔ سورۂ شعرا میں اس جرم کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: قالوا سواءٌ علینا اوعظت ام لم تکن من الواعظین ان ھذا الاخلق الاوّلین۔ (بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنیوالا۔ اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی۔)

۵۔ پانچواں جرم۔ تکبّر اور اپنی طاقت پر فخر و غرور۔ قرآن نے فرمایا: واما عاد فاستکبروا فی الارض بغیر الحق وقالوا من اشد منا قوۃ۔ (سو جو عاد تھے وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق۔ اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور میں۔)

(باقی آئندہ)

فتنۂ انکارِ سنت

جناب محترم ابونصر طاہر سلیم صاحب ترناب فارم ضلع پشاور

"الحق" کے پہلے شمارے میں مولانا سمیع الحق صاحب نے "اسلامی ریسرچ و تحقیق" کے ابتدائیہ میں موجودہ زمانہ کے گمراہ کن فتنۂ انکارِ حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ علماء کرام نے الحمدللہ منکرینِ حدیث کے چہروں کو اچھی طرح بے نقاب کر دیا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً ان کے اعتراضات کے مدلل جواب دئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ علماء کرام گاہے گاہے اس موضوع پر ان متجددین کے انکشافات کا تحلیل و تجزیہ کرتے رہیں۔ تاکہ عوام کا قرآن حکیم اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ مضبوط رہے اور گمراہی سے محفوظ رہیں۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (مؤطا)——

——(میں نے تم میں کتاب و سنت کی دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تک انہیں تھامے رکھو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔)

پرویز صاحب کے نزدیک سنت رسول اللہؐ اسلام میں حجت اور سند نہیں ہے۔ ظاہر ہے۔ رسول اللہؐ کو شارع اسلام اور شارح کتاب اللہ نہ ماننے سے اسلام کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ اور قرآن کا مفہوم متعین ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ خود قرآن کا دعویٰ ہے:

— رسول اللہؐ کی بعثت کا مقصد محض قرآن کی آیات سنانا ہی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یعلمھم الکتاب والحکمۃ ویزکیھم[1] بھی تھا۔ (سورۃ البقرہ: ۱۲۹، ۱۵۱۔ آل عمران ۱۶۴، الجمعہ: ۲)

---

[1] اور سکھلائے ان کو کتاب و حکمت کی باتیں اور ان کا تزکیہ کرے۔

۲۔۔۔ قرآن کا صحیح مفہوم وہی ہوگا جسے خود شارح کتاب اللہ نے متعین کیا ہو۔ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم[1] ۔۔۔ (النحل : ۴۴)

۳۔۔۔ اللہ تعالیٰ سے رشتۂ محبت کی استواری نبی کریمؐ کی اتباع کے بغیر ناممکن ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[2] ۔ (آل عمران : ۳۱) بلکہ رسول اللہؐ[3] کی اطاعت سے انکار کفر ہے۔ قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکفرین[3] (آل عمران : ۳۲)

۴۔۔۔ تمہارے لئے اللہ کے رسول میں ایک نمونۂ تقلید۔ اسوۃ حسنۃ ۔ ہے۔ (الاحزاب : ۲۱)

۵۔۔۔ رسول اللہؐ کے فرامین بھی اوامر ونواہی اور احکام تحلیل وتحریم ہیں۔ یامرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث[4] (اعراف : ۱۵۷) وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا[5] (حشر : ۷) کیونکہ آپؐ کے یہ سب احکام خداوندی ہدایات کے تحت ہوتے تھے۔ وما ینطق عن الھویٰ۔ ان ھو الا وحی یوحیٰ[6] (نجم)

۶۔۔۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے فیصلوں کو بسروچشم قبول کیا جائے اور جو اپنے دل میں تنگی تک محسوس کرے وہ مومن ہو ہی نہیں سکتا۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم[7] ۔ (النساء ۶۵) نیز ملاحظہ ہو النساء ۵۹، ۶۱، ۱۰۵۔ الشوریٰ : ۱۵ النور : ۵۱ ۔ الاحزاب : ۳۶ ۔

۷۔۔۔ رسول اللہؐ کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ (النساء : ۸۰) اور رسولؐ سے بیعت دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت ہے۔ (الفتح : ۱۰)

---

[1] اور اتارا ہم نے تجھ پر قرآن مجید کہ تو بیان کردے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو ان کے واسطے اتاری گئی۔ [2] اے رسول کہہ ان کو اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو میری راہ پر چلو اللہ تم سے محبت کریں گے [3] اے رسول تو کہہ کہ اللہ اور رسول کا حکم مانو پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو کافروں سے محبت نہیں۔ [4] وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا اور منع کرتا ہے برے کام سے اور حلال کرتا ہے۔ ان کیلئے سب پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں۔ (موضح القرآن) [5] اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔ [6] اور نہیں بولتا اپنی خواہش بلکہ یہ تو وحی ہے جو بھیجی ہوتی۔ [7] قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے جب تک تجھ اپنے جھگڑوں میں منصف نہ ٹھہرائیں۔ (ادارہ)

صرف اللہ کی اطاعت کے دعویدار اور رسول اللہ کی اطاعت سے منکر گمراہ ہیں۔ ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبینا (الاحزاب ۳۶) اور ان کے اعمال باطل ہیں۔ (محمد ۳۳)

اب ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ کے احکام و فرامین جن کی اطاعت کا قرآن تقاضا کرتا ہے۔ اور جن سے قرآن کے صحیح مفہوم کی تعین ہوتی ہے۔ صرف احادیث نبوی کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر سنت رسول اللہ جو کہ آج احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ کا انکار کر دیا جائے تو اس کے نتیجہ میں اسلام کا جو ڈھانچہ بنے گا اور قرآن حکیم کی جو تحریف ہوگی وہ ذیل کی چند مثالوں سے ظاہر ہے:۔۔۔

پرویز صاحب کے ہاں اسلام کا کیا تصور ہے؟ آپ ان کے ایک انگریزی کتابچہ "اسلامک آئیڈیالوجی" کو شروع سے آخر تک پڑھ جائیے۔ رسول اللہ کی اطاعت تو ایک طرف آپ کو اس میں رسول اللہ کا ذکر تک نہیں ملے گا۔ اس کتابچہ میں جو تصور اسلام پیش کیا گیا ہے۔ وہ خالص مادی اور اشتراکی ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ آپ "خدا" کے لفظ کو "ریاست" سے بدل دیں۔ قرآن حکیم کی آیت اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ [۱] (التوبہ ۱۱۱) کا مفہوم اس کتابچہ میں یہ دیا گیا ہے۔ "لوگ اپنی جانیں اور اپنے مال ریاست کے حوالے کرتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے قوانین کو بروئے کار لانے کی ذمہ دار ہے۔ اس کے بدلے میں ریاست لوگوں کو جنت دیتی ہے" پرویزی مفہوم میں اس جنت سے مراد "سوشل آرڈر" ہے۔ وہ سوشل آرڈر جس میں فرد کی سب ضروریات اور اس کی شخصیت کی نشوونما کی تمام تر ذمہ داری ریاست پر ہے" یہ قرآن حکیم کی صریح اور کھلی تحریف نہیں تو اور کیا ہے۔؟

پرویز صاحب کا "مفہوم القرآن" اسی وزن پر ہے۔ چند اور نمونے ملاحظہ ہوں:۔

صلوٰۃ سے مراد قوانین خداوندی کا اتباع ہے۔

۱۔ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرہ ۳) میں یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ [۲] کا مفہوم یوں ارشاد ہے۔" اس مقصد کے لئے یہ لوگ اس نظام

---

[۱] اللہ تعالیٰ نے ان کی جان و مال جنت کے بدلے خرید لی ہے۔ (ادارہ) [۲] صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "قائم رکھتے ہیں نماز کو"

کو قائم کرتے ہیں جس میں تمام افراد قوانین خداوندی کا اتباع کرتے جائیں"۔

۲۔ واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الرّٰکعین[1] (البقرہ ۴۳) "اور نظام صلوٰۃ قائم کرو اور نوع انسانی کی نشوونما کا سامان فراہم کرو اور اس طرح تم بھی ان کے ساتھی بن جاؤ جو قوانین خداوندی کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہیں"۔

۳۔ للطّائفین والعٰکفین والرُّکّع السجود[2] (البقرہ ۱۲۵) کے بارہ میں یوں گوہر افشانی کرتے ہیں وہ "قوانینِ خداوندی کے سامنے جھک کر اور ان کی پوری پوری اطاعت کرکے ایسی پوزیشن اختیار کرے کہ تمام اقوامِ عالم کی نگران و پاسبان ہو۔ ان کے الجھے ہوئے معاملات کو سنوارے اور ان کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو مجتمع کرے"۔

ملائکہ سے مراد کائناتی قوتیں ہیں۔

واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ط ابیٰ واستکبر وکان من الکٰفرین[3]۔ (البقرہ ۳۴) اس آیت کی تشریح ملاحظہ ہو۔ "اس پر کائناتی قوتیں سب انسان کے سامنے جھک گئیں۔ لیکن ایک چیز ایسی بھی تھی جس نے اس کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا۔ اس نے سرکشی اختیار کی۔ یہ تھے انسان کے خود اپنے جذبات جن کے غالب آ جانے سے اسکی عقل و فکر ماؤف ہو جاتی ہے۔ اور اتنی بڑی قوتوں کا مالک خود اپنے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے۔ اور اس پر چاروں طرف سے مایوسیاں چھا جاتی ہیں"۔

معلوم ہوتا ہے، پرویز صاحب کی جبریل و میکائیل کے "مفہوم" تک ابھی تک رسائی نہیں ہوئی تھی تو من کان عدواً للہ وملٰئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکٰل فان اللہ عدوٌ للکٰفرین۔ (البقرہ ۹۸) میں جبریل اور میکائیل کا پرویزی مفہوم نہیں دیا گیا۔

حضرات! یہ ہے انکارِ سنت کے بعد تحریف قرآن کی مکروہ سازش جس کی طرف "اسلامی ریسرچ و تحقیق" کے تمہیدی نوٹ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اے منکرینِ سنت! اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہلانے والو!! تم اسلام اور قرآن کے اس مفہوم کو جسے شارع اسلام۔ شارح کتاب اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعین

(باقی صفحہ ۲۴ پر)

---

[1] اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ۔ (موضح القرآن) [2] (پاک رکھو میرے گھر کو) طواف واعتکاف اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کیلئے۔ [3] اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کیا اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں۔ (ادارہ)

اخبار و عبر

دوارکا کی تباہی

ایک فوجی مجاہد کا ایمان و شجاعت سے لبریز خط

میں اپنے وعدہ کے مطابق آج آپ کو اپنی مصروفیات کی مختصر سی داستان سنا ہی دیتا ہوں ۴ ستمبر کو ہم حسب معمول اپنی جنگی مشقوں کے لئے کھلے سمندر میں نکل گئے۔ ۶ ستمبر کو صدر محترم نے ریڈیو پاکستان سے ہنگامی حالات کا اعلان کیا۔ اور صاف الفاظ میں فرمایا کہ "عزیز ہموطنو! بزدل دشمن نے سرزمین لاہور پر اچانک حملہ کر کے ہماری غیرت کو چیلنج کیا ہے۔ جنگ شروع ہو چکی ہے۔ اور خدا آپ کا حامی ہے۔ آگے بڑھو اور دشمن کو کچل کے رکھ دو" بس پھر کیا تھا تقریر سن کر خون کھولنے لگا۔ دشمن سے ٹکر لینے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ ہم بیک وقت اپنے ساحل کا دفاع بھی کرتے رہے۔ اور اگر ساٹھ ستر میل دور سمندر کے اندر کوئی بڑی مچھلی بھی کروٹ لیتی تو بجلی کے خاص آلات اور راڈر سے پتہ چل جاتا کہ کوئی چیز حرکت کر رہی ہے۔ اور پھر ہمارے جہاز جنگی سکیم کے مطابق تیز رفتاری سے اس وقت تک پیچھا کرتے جب تک نزدیک جا کر حقیقت کا پتہ نہ چلتا۔ شب و روز لوگ توپوں اور دیگر آلات پر تیار رہتے فرصت کا وقت ملنا حرام ہو گیا۔ نہ آرام کا وقت نہ نیند کا وقت یہاں تک کہ حجامت اور غسل کا وقت ملنا بھی دشوار ہو گیا۔ پوزیشن سنبھالے ہوئے لوگ روٹی کھاتے اور ادھر ہی دن رات پڑے رہے۔ ایک طرف سمندر کی طوفانی لہروں سے جہاز بری طرح اوپر نیچے ہوتا۔ کئی آدمیوں کو بری طرح الٹیاں بلکہ خون کی الٹیاں تک آتی رہیں۔ دوسری طرف ذرا سے وقفہ کے لئے ڈیوٹی چھوڑنا محال تھا۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ لوگ سوچ سمجھ کر غسل کے لئے وقت نکال لیتے، ابھی پہنچنے بھی نہ پاتے تھے کہ پھر خطرے کی گھنٹی بج جاتی۔ جس حالت میں ہوتے وہاں پہنچ جاتے۔ یہاں تک کہ میں نے تو اپنا مصلیٰ بھی اسی جگہ رکھ دیا جہاں پر حملے کے وقت ڈیوٹی دی گئی تھی، اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ کئی دفعہ تو اللہ سے معافی مانگ کر بغیر سمت قبلہ معلوم کئے نیت باندھ لیتا۔ گو جہاز میں قطب نما ہوتا ہے۔ مگر ڈیوٹی ایسے کمرے میں ہے جہاں صرف مشینیں چلتی ہیں۔ اسے ایک سیکنڈ کے لئے نہیں چھوڑا جا سکتا، اور اگر چوری چھپے چھوڑیں تو قوم سے غداری وطن سے غداری اسلام سے غداری کے

مرتکب ہوتے ہیں۔ جہاز کی یہ حالت ہے۔ کہ ہر دو منٹ کے بعد سمت بدل رہا ہے۔ یہ کیوں؟ جنگی چال اور حالات کا تقاضا۔ کئی دفعہ غسل کرتے وقت ابھی صابن نکلا نہیں ہے۔ کہ گھنٹی بج گئی اور اپنی جگہ پر پہنچنا پڑا۔ ادھر نماز کا وقت آیا۔ بس صرف پاجامہ پہنا ہوا ہے۔ اور تولیہ لپیٹ کر سینے کے اوپر دونوں کونے باندھ لئے اور اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاتا۔ بہرحال کچھ عجیب وغریب شب و روز تھے۔ مگر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے زبردست ہمت دی۔ یہ اس کا احسان عظیم ہے ورنہ مجھ گنہگار میں اتنی ہمت کہاں۔ فضلِ ربی سے جذبۂ جہاد بڑھتا گیا۔ دشمن سے ٹکر لینے کے لئے ہم سخت بے چین رہتے۔ شب و روز گذرتے گئے۔ سفینۂ سمندر تھا اور ہم تھے۔ اس دوران کراچی پر ہندوستان کے ہوائی جہاز وقتاً فوقتاً بمباری کرنے لگے۔ یہ جہاز جام نگر کے ہوائی اڈے سے اڑتے اور دوارکا کی بندرگاہ کے پاس جب پہنچ جاتے تو دوارکا کا راڈار اسٹیشن ان کو کراچی پہ حملہ کرنے کے لئے مدد دیتا۔ آخر کار وہ نیک وقت آگیا۔ کہ ہمارے بیڑے کو اس اڈے سے تباہ کرنے کا حکم مل گیا۔ کراچی سے ۲۱۰ میل دور جا کر ہم نے اللہ کے فضل سے وہ جنگی چال چلی کہ دشمن کے گھر میں گھس گئے اور آدھی رات کے قریب پوزیشن لیکر وہ گولہ باری کی جو تاریخ میں دوارکا کی تباہی کے الفاظ سے یاد رہے گی ——— اس گھن گرج کا کیا کہوں تمام بیڑہ بیک وقت اپنے بھاری توپ خانے سے گولہ باری کرتا رہا۔ گویا ایک قیامت برپا تھی۔ دور دشمن کے فوجی ٹھکانوں پر ایسے شعلے بھڑک رہے تھے گویا افق پر آگ لگی ہوئی ہے۔ اسی اثنا میں دشمن نے کنارے کے بھاری توپخانے سے ہم پر گولے برسائے مگر سب آسمان کی طرف جا کر ختم ہو گئے۔ گویا ذات ربی نے دشمن کو ایسا بدحواس کیا کہ وہ یہ اندازہ ہی نہیں لگا سکا کہ ہم تو اس کے سر پہ چڑھ کر اس کو تباہ کر رہے ہیں۔ اس اثنا میں ہم نے ان کے نیوی کیمپ۔ ہوائی اڈہ۔ کنارے کی توپیں اور راڈار اسٹیشن تباہ کر کے بالکل خاموش کر دئے۔ امید ہے کہ اب وہاں دس پندرہ سال تک گھاس بھی مشکل نہ اُگے گی۔ اس کے بعد ہم برق رفتاری سے کراچی کی طرف روانہ ہوئے تاکہ دشمن موقع سے فائدہ اٹھا کر کراچی پر حملہ نہ کر دے۔ مشکل سے چھ سات منٹ گذرے ہوں گے کہ دشمن کے ہوائی جہازوں نے بڑے پیمانہ پر حملہ کیا۔ غالباً تیس چالیس کی تعداد تھی۔ انہوں نے پہلا حملہ کیا اور پھر ہمارے جہاز وہ توپیں حرکت میں لائے جو خاص ہوائی جہازوں کے خلاف استعمال ہوتی ہیں۔ یہ ہر بحری جہاز پہ کافی تعداد میں ہوتی ہیں۔ اور بہت تیز رفتاری سے گولے نکالتی ہیں۔ ایک دفعہ پھر آسمان پر انگارے ہی انگارے نظر آنے لگے۔ ہمارے بیڑے نے چشم زدن میں

تین جہاز گرائے جو سمندر کی بھینٹ چڑھ گئے ــــ اب وہ چھکے لگاکر دوبارہ حملہ کی تیاری کر رہے تھے۔ کہ عین اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ظہور پذیر ہوا جس کو دیکھ کر سر اللہ تعالیٰ کے حضور میں سربسجود ہو جاتا ہے۔ ہوا یہ کہ جب ہم گولہ باری کر رہے تھے۔ تو صاف اور شفاف چاندنی رات تھی۔ مگر جب ہوائی جہازوں سے پہلے حملہ میں مڈبھیڑ ہوئی تو اچانک سیاہ بادلوں کے بے شمار ٹکڑے چاند پر اور چار کے اردگرد چھا گئے۔ اور گھپ اندھیرا ہوا جس سے دشمن اندھا ہو گیا۔ اور ہماری پوزیشن معلوم کرنا اس کے لئے ناممکن ہو گیا۔ اور ناکام لوٹ گیا۔ یہاں تک کہ ہم بخیر و عافیت اپنے علاقہ میں پہنچ گئے ــــ اس کے بعد ہم سطح سمندر اور ہوا میں اپنا شکار ڈھونڈتے رہے۔ مگر کاش کہ ان کے جہاز جب راڈار کے ذریعے ہمارا پتہ لگا لیتے تو دم دبا کر بھاگ نکلتے ــــ انہوں نے کئی دفعہ ہوائی حملے کئے مگر نزدیک آنے کی جرأت نہیں کر سکے۔ دور دور سے جلوہ دکھا کر بھاگ جاتے۔ حملے اور دشمن سے ٹکر لینے کے لئے ایمان کی حرارت چاہیئے۔ وہ نامراد اس سے محروم ہیں۔ حالانکہ ان کی نیوی ہم سے تین گنا سے بھی زیادہ ہے۔ مگر ہم ہمیشہ اکھاڑے میں ڈنڈ نکالتے رہے اور ان کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ ایک دفعہ ان کے بارہ جہازوں کی نقل و حرکت کا پتہ چلا۔ گویا ہمیں شکار مل گیا۔ پورے زور سے مقابلہ کے لئے بھاگے، کچھ دور جا کر ہمارے جہاز کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ہائی کمانڈر نے گھیرہ ڈالنے کے لئے ہمارے جہاز کے عملے کو خدا حافظ کہہ دیا۔ ہمیں بڑی خوشی تھی کہ ہمیں یہ شرف حاصل ہوا۔ مگر بے دین بھاگنے لگے یہاں تک ۱۰۰ میل تک ہم لوگوں نے پیچھا کیا۔ اور آخر کار آرڈر ملا کہ واپس لوٹ آؤ۔ اس سے دل شکنی ہوئی مگر حکم ماننا ضروری ہوتا ہے۔

۲۳ ستمبر کو جب جنگ بندی پر عمل کرنا تھا۔ انہوں نے بدلہ لینے کی ایک ناکام کوشش کی اور ہمارے ایک جہاز پر تین جہازوں نے مل کر حملہ کیا۔ ہمارے بیڑے کے جہاز کے عملے نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر توپیں داغ دیں اُن کا ایک جہاز چشم زدن میں ۲۳۰ اشخاص کی نفری کے ساتھ سمندر کی تہہ میں پہنچ گیا یہ ایک خاص قسم کا جہاز تھا جس کی قیمت ۵۰ لاکھ پونڈ تھی۔ باقی دو جہاز بھاگ گئے جس میں سے ایک بڑی مشکل سے بندرگاہ میں پہنچ گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دل و دماغ کو ایسا سکون بخشا ہے کہ قطعاً دنیا کی رنگینی کی اس وقت کوئی پرواہ نہیں۔ ہم سب خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی ارض مقدس کی حفاظت اور جہاد جیسے فریضہ ادا کرنے کا نادر موقع دیا ہے۔ ورنہ کہاں ہم گنہگار بندے اور کہاں

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

احباب واکابر

پیغامات و دعوات

مولانا قاضی عبدالصمد سربازی قاضی القضاۃ قلات ڈویژن ——— ماہنامہ الحق پڑھ کر بہت ہی مسرت ہوئی ماشاء اللہ جناب نے اصلاح و تبلیغ کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ہر ایک مضمون قیمتی اور دلچسپ ہے اور ہر طبقہ کے لئے مفید اور کارآمد۔ مضمون ضرورت وحی بہت ہی مفید اور نہایت ہی ضروری مضمون ہے۔ اور چاہئیے کہ اسکو انگریزی زبان میں شائع کرا کے یورپ میں شائع کرایا جائے۔ مضمون "قوموں کی تباہی کا سبب اللہ کی نافرمانی ہے"۔ بہترین خطبہ مطابق حال اور کلمۃ الحق ہے۔ جو افضل الجہاد میں شمار ہوتا ہے۔ نصرت خداوندی کے ثمرات کے ضمن میں جنگل میں سے شیر درندوں سانپوں کے نکل جانے کا جو واقعہ درج ہے یہ واقعہ افریقہ کا ہے اس کا عامل عقبہ بن نافع فہری صحابیؓ تھے۔ زمانہ حضرت معاویہؓ کا ہے اور واقعہ اشاعت اسلام میں مفصل درج ہے۔

مولانا مفتی سیاح الدین کاکا خیل لائل پور ——— رسالہ الحق جاری کرنے سے خوشی ہوئی عرصہ سے پوری خواہش تھی کہ دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے حق کی آواز بلند ہونے کے لئے صحیفہ کی ضرورت ہے۔ جب آپ نے "الحق" نام رکھا ہے تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے آپ کو مسلسل جہاد کرنا پڑے گا۔ الحق کی بناء پر ممکن ہے اس کڑواہٹ کو کم لوگ قبول کریں۔ عام ذہن تو یہ ہے کہ لوگ یحب الحلواء والعسل کی سنت پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ رسالہ کی کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ آپ نہ صرف یہ کہ اس معیار کو قائم رکھئے بلکہ اسے اور بھی بلند کرنے کی کوشش جاری رکھئے۔

مولانا پیر مبارک شاہ ناظم جمعیۃ العلماء اسلام مردان ——— دارالعلوم حقانیہ جیسے عظیم الشان علمی درسگاہ سے ہم عرصہ سے یہی توقع رکھتے تھے کہ اگر ایک طرف وہ علمی میدان میں باطل پرستوں کے مقابلہ میں قرآن و حدیث اور فقہی علوم سے آراستہ فوج تیار کرتی ہے تو دوسری طرف ملت اسلامیہ کی دینی رہبری کے لئے قلمی جہاد کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے بحمداللہ یہ کمی ماہنامہ الحق نے پوری کر دی۔

مولانا فضل معبود الازہری۔ پشاور یونیورسٹی ——— ان مجلۃ الحق مجلۃ قیمۃ وھذہ الخطوۃ خطوۃ مبارکۃ فی سبیل خدمۃ العلم والدین وکنت اود ان احضر فی خدمتکم بنفسی ولابارکم۔